قرآن حکیم اور تعمیرِ شخصیت کے اصول:

سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کی روشنی میں تطبیقی مطالعہ

Holy Quran and Principles of Personality Development:

Applied Study in the Light of Surah Al- Muzammil and Surah Al- Mudassir

(مقالہ برائے ایم فل علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

محمد ابراہیم عباسی

ایم فل اسکالر

شعبہ اسلامی فکر وثقافت نمل

رجسٹریشن نمبر:62-MPhil/IS/F23

شعبہ اسلامی فکر وثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اگست 2025

قرآن حکیم اور تعمیرِ شخصیت کے اصول:

سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کی روشنی میں تطبیقی مطالعہ

Holy Quran and Principles of Personality Development:

Applied Study in the Light of Surah Al- Muzammil and Surah Al- Mudassir

(مقالہ برائے ایم فل علومِ اسلامیہ)

نگران مقالہ

ڈاکٹر محمد عمر فاروق

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت نمل

مقالہ نگار

محمد ابراہیم عباسی

ایم فل اسکالر

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت نمل

رجسٹریشن نمبر: 62-MPhil/IS/F23

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن 2023-25

© محمد ابراہیم عباسی

بسم الله الرحمن الرحيم

فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval Form)

زیرِ دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ ذیل مقالہ کو پڑھا اور دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارگردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالہ کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **قرآن حکیم اور تعمیرِ شخصیت کے اصول: سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کا تطبیقی مطالعہ**

Holy Quran and Personality Development: Applied Study in the Light of Surah Al-Muzammil and Surah Al-Mudassir

نام ڈگری: **ایم فل علومِ اسلامیہ**

نام مقالہ نگار: محمد ابراہیم عباسی

رجسٹریشن نمبر: رجسٹریشن نمبر: **62-MPhil/IS/F23**

ڈاکٹر محمد عمر فاروق

نگرانِ مقالہ ______________________ دستخط نگران مقالہ

ڈاکٹر ریاض احمد سعید

صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت ______________________ دستخط صدر شعبہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض شاد

ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز ______________________ دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

تاریخ: ________________

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں: محمد ابراہیم عباسی   ولد: جمیل احمد خان

رول نمبر: MP-IS-F23-361   رجسٹریشن نمبر: **62-MPhil/IS/F23**

طالبِ علم ایم فل علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ

مقالہ بعنوان: **قرآن حکیم اور تعمیرِ شخصیت: سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کی روشنی میں تطبیقی مطالعہ**

Holy Quran and Personality Development: Applied Study in the Light of Surah Al-Muzammil and Surah Al-Mudassir

ایم فل کی ڈگری کی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا اور ڈاکٹر محمد عمر فاروق کی زیر نگرانی مکمل کیا گیا۔ راقم الحروف کا اصل کام ہے اور نہ تو کہیں اور جمع کرایا گیا ہے اور نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی ڈگری کے حصول کے لیے کسی یونیورسٹی یا ادارہ کو میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: محمد ابراہیم عباسی

دستخط مقالہ نگار: ____________________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد

Abstract:

Man is supreme creation of Allah Almighty. He is superior creation because he is bestowed with intellect and knowledge. Allah Almighty created man for his worship. Man was sent to the Earth with an objective. So, Allah Almighty provided him various ways for help. Guidance of mankind is beloved to Allah Almighty. Man is combination of intellect, soul and body. He needs a role model to follow and a code of life to spend meaningful life. Allah sent his messengers to mankind for guiding him to divine success. Allah Almighty revealed the Holy Quran on Holy Prophet Muhammad (PBUH) which is divine guideline for entire mankind till end of the world. It includes guiding principles for individual and collective lives. The Holy Quran gives principles of intellectual guidance in the form of thoughts, practical principles in the form of Seerah of Holy Prophet (PBUH) as well as ethical principles. It contains set of principles to spend that life which was demanded from man. Islam and Holy Quran has principles for practice in human life. In every age man tried to develop his spiritual, intellectual and material life. As man has covered thousands of miles of darkness in the past and travel towards lightness. There are several possibilities still exists. So, personality development in this manner is always important and priority for mankind.

The Holy Quran contains 114 chapters. The addressee of the Holy Quran is human being. All the knowledge, guidance and principles revealed in Holy Quran were for human beings. As man is combination of body and soul. For spiritual development and personality traits chapter of Surah Al-Muzammil and Surah Al-Mudassir guides us through its unique principles with respect to personality development. These Surahs were direct address to Holy Prophet (PBUH) and Allah Almighty introduced the traits for the personality of Holy Prophet (PBUH). These traits were set of principles for development of personality in every age. So, whenever human beings feel need of intellectual, spiritual development and to solve any problem in this world, they have to consult holy revealing of the Holy Quran. As personality development is our need in contemporary world. So, in this thesis entitled “Holy Quran and Principles of Personality Development: Applied Study in the Light of Surah Al- Muzammil and Surah Al- Mudassir”

I explored, Quranic concept of personality development in the form of principles, analyzed principles of personality development mentioned in Surah Al-Muzammil and Al-Mudassir and gave possible situations of implementation of principles given by these surahs in the manner of personality development.

Key Words: The Holy Quran, Surah Al-Mudassir, Surah Al-Muzammil, Personality Development, Purification, Spiritual Growth, Intellectual Guidance.

ملخص:

انسان اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ ترین مخلوق ہے کیونکہ اسے عقل اور علم عطا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالی نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ انسان کو ایک مقصد کے ساتھ زمین پر بھیجا گیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کے لیے مختلف طریقے فراہم کیے ہیں۔ انسانوں کی ہدایت اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ انسان عقل، روح اور جسم کا مجموعہ ہے۔ اسے بامقصد زندگی گزارنے کے لیے ایک نمونہ اور ضابطہ حیات کی ضرورت تھی جو کہ انبیاء کرام کی صورت میں فراہم کیا گیا۔ اللہ تعالی نے اپنے رسولوں کو انسانوں کی طرف اس لیے بھیجا کہ وہ انہیں کامیابی کی طرف رہنمائی کریں۔ اللہ تبارک و تعالی نے قرآن پاک کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا جو کہ دنیا کے آخر تک تمام بنی نوع انسان کے لیے ہدایت ہے۔ اس میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے رہنما اصول شامل ہیں۔ قرآن کریم فکری رہنمائی کے اصول افکار کی شکل میں، عملی رہنمائی کے اصول سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں دیتا ہے۔ اس میں وہ زندگی گزارنے کے اصول ہیں جو انسان سے مانگے گئے تھے۔ اسلام اور قرآن پاک میں انسانی زندگی پر عمل کرنے کے اصول ہیں۔ ہر دور میں انسان نے اپنی روحانی، فکری اور مادی زندگی کو ترقی دینے کی کوشش کی۔ جیسا کہ انسان نے ماضی میں ہزاروں میل اندھیروں سے روشنی کی طرف سفر کیا۔ اب بھی کئی امکانات موجود ہیں۔ لہذا، اس طریقے سے شخصیت کی نشوونما ہمیشہ بنی نوع انسان کے لیے اہم اور ترجیح ہے۔

قرآن پاک 114 سورتوں پر مشتمل ہے۔ قرآن مجید کا مخاطب انسان ہے۔ قرآن پاک میں جتنے بھی علم، رہنمائی اور اصول نازل ہوئے ہیں وہ انسانوں کے لیے ہیں۔ جیسا کہ انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔ تعمیر شخصیت کے سلسلہ میں سورہ مزمل اور سورہ مدثر اپنے منفرد اصولوں کے ذریعے ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ یہ سورتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست مخاطب تھیں اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لیے خصائل متعارف کرائے تھے۔ یہ خصلتیں ہر دور میں شخصیت کی نشوونما کے لیے اصول ہیں۔ لہٰذا جب بھی انسان کو فکری، روحانی ترقی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور اس دنیا میں کسی مسئلے کو حل کرنے کے لیے اسے قرآن پاک کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ شخصیت کی نشوونما عصر حاضر میں ہماری ضرورت ہے۔ چنانچہ اس مقالہ بعنوان "قرآن حکیم اور تعمیر شخصیت کے اصول: سورہ مزمل اور سورہ مدثر کی روشنی میں تطبیقی مطالعہ" میں شخصیت کی تعمیر قرآن کریم کے انداز تعمیر شخصیت کو اجاگر کرتے ہوئے سورۃ المزمل والمدثر کے پس منظر کی روشنی میں اصولوں پر مبنی تطبیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ: قرآن پاک، سورہ المدثر، سورہ مزمل، تعمیر شخصیت، تزکیہ نفس، روحانی آبیاری، فکری رہنمائی۔

فہرستِ عنوان

Abstract: III

باب اول: تعارفی مباحث 1

فصل اول: موضوعِ تحقیق کا تعارف اور ضرورت واہمیت، دراساتِ سابقہ اور جوازِ تحقیق 2

فصل دوم: مقاصدِ تحقیق، سوالاتِ تحقیق اور منہجِ تحقیق 7

تعمیرِ شخصیت کا مفہوم: 10

تعمیرِ شخصیت کی ضرورت واہمیت: 10

باب دوم: قرآن حکیم اور تعمیرِ شخصیت کے اصول 13

فصل اول: انسانی زندگی کے فکری پہلو اور تعمیرِ شخصیت کے قرآنی اصول: 14

فصل دوم: انسانی زندگی کے عملی پہلو اور تعمیرِ شخصیت کے قرآنی اصول: 43

باب سوم: سورۃ المزمل و سورۃ المدثر کے پس منظر کی روشنی میں فکری و عملی اصول اور تعمیرِ شخصیت کے اصول .. 67

فصل اول: سورۃ المزمل والمدثر کا بنیادی تعارف اور مضامین 69

الف: سورۃ المزمل کا بنیادی تعارف اور مضامین 69

ب: سورۃ المدثر کا بنیادی تعارف اور مضامین 71

فصل دوم: سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کا پس منظر اور تعمیرِ شخصیت کے اصول 73

باب چہارم: سورۃ المزمل و سورۃ المدثر اور تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کی عصری تطبیق 104

فصل اول: سورۃ المزمل اور تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کی عصری تطبیق: 105

فصل دوم: سورۃ المدثر اور تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کی عصری تطبیق 119

سورۃ المدثر اور تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کی عصری تطبیق 120

نتائج و سفارشات 136

سفارشات 138

فہارس 139

انتساب

میں اپنی اس کوشش کو اپنے والدین اور اساتذہ کے نام کرتا ہوں جن کی دعاؤں، محبت اور تربیت کے بعد میں اس قابل ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت کی بھلائیاں اور اپنا قُرب عطا فرمائے (آمین)

اظہارِ تشکر

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے یہ مقالہ لکھنے کی توفیق دی۔ اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ میں اپنے والدین کا احسان مند ہوں جنھوں نے مجھے تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا اور اس قابل بنایا کہ میں یہ کام کر سکوں۔ اپنے اساتذہ کا شکر گزار ہوں جن کی محنت اور لگن سے میں اس کام کو مکمل کرنے کے قابل ہوا خاص طور پر اپنے نگران ڈاکٹر محمد عمر فاروق کا جن کی ہمہ وقت توجہ اور رہنمائی سے یہ کام آسان ہوا۔ میں ان کو شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مجھے وقت دیا اور میرے کام کی حوصلہ افزائی کی۔ میں صدر شعبہ ڈاکٹر ریاض احمد سعید اور پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی کا ممنون ہوں اور ادارہ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کا جس نے میرے علمی سفر میں اہم کردار ادا کیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین

باب اول: تعارفی مباحث

فصل اول: موضوعِ تحقیق کا تعارف اور ضرورت واہمیت، دراساتِ سابقہ اور جوازِ تحقیق

فصل دوم: مقاصدِ تحقیق، سوالاتِ تحقیق اور منہجِ تحقیق

فصل اول: موضوعِ تحقیق کا تعارف اور ضرورت واہمیت، دراساتِ سابقہ اور جوازِ تحقیق

موضوع تحقیق کا تعارف(Introduction to the Topic)

انسان جسم و روح کا حسین امتزاج ہے۔ جسم کا تعلق مادی دنیا سے جبکہ روح کا تعلق روحانی اور ابدی دنیا سے ہے۔انسان کا ارتقاءتدریجا ہوااور انسان نے ہر زمانے میں مادی و روحانی ترقی کا سفر کیا ہے۔ جہاں مادی ترقی کا تعلق نفس انسانی کی جبلتوں سے ہے اور انسانی مزاج کی ضرورت ہے وہیں روحانی ترقی اور بڑھوتری بھی انسانی شخصیت کی ضرورت ہے تاکہ انسان روحانی و مادی دونوں اعتبار سے ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔

انسانی شخصیت کا تعلق ان اخلاق واقدار سے ہے جو اسے معاشرے میں نمایاں اور اشرف المخلوقات ہونے کا اعزاز بخشتی ہیں اور اخلاق واقدار کی بہتری تعمیر شخصیت میں اعلی کردار ادا کرتی ہے، جو انسان کے باطن سے اخلاق رزیلہ کو دور کرکے اوصاف حمیدہ کو نمایاں کرتی ہے۔

دور حاضر میں جب انسان نے مادی ترقی کی تو اخلاقی ترقی کو پس پشت ڈال دیا۔اس وجہ سے انسان اور انسانی معاشرے اخلاقی پسماندگی کا شکار ہوئے۔اس پسماندگی نے انسانوں کی تعمیر شخصیت پر منفی اثرات مرتب کیے۔انسان دن رات اپنی ترقی کے لیے جدوجہد کرنے میں مشغول ہے اور اپنی شخصیت سے مکمل غافل ہے چنانچہ انسان کی تعمیر شخصیت وقت کی اولین ضرورت بن چکی ہے۔اس مادہ پرست دور میں انسانیت اپنے حقیقی رتبہ کو کھو چکی ہے۔یوں اجتماعی طور پر معاشروں کو از سر نو اخلاقی اصولوں کی بنیاد پر تعمیر کرنے کی ضرورت ہے۔قرآن کریم انسانیت کے لیے ہر دور اور ہر قسم کے حالات میں مشعل راہ ہے۔قرآن مجید نے جابجا تعمیر شخصیت پر زور دیا ہے اور اس کے لیے اصول فراہم کیے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کو تعمیرِ شخصیت کے لیے بنیاد بنایا ہے۔چونکہ قرآن کریم کا مخاطب انسان ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس مطلوبہ شخصیت کی تکمیل کے اصول سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں بتائے ہیں بالخصوص سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر جن میں ان اصولوں کو بطور خاص زیر بحث لایا گیا ہے، تاکہ انسان اپنی شخصیت کو وقت کے تقاضوں کے مطابق تعمیر کرسکے۔

ضرورت واہمیت (Significance of the Study)

معاشرے کی بنیادی اکائی انسان ہے۔انسان کی تعلیم و تربیت اور تعمیر کا سفر اس کی پیدائش ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔انسان کی روحانی اور مادی تعمیر کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ مضبوط اور مربوط شخصیت اس کی معاشرے میں عزت اور رفعت والی زندگی کا سبب بنتی ہے۔ جس طرح بہترین تعمیر شدہ شخصیت معاشرے میں عزت کا سبب ہے بعینہ اجتماعی طور پر جب اعلیٰ شخصیتیں مل کر رہتی ہیں تو بہترین معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے۔

یہ موضوع اس لیے اہمیت کا حامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انسان کی شخصیت کو سنوارنے کے لیے ایک لائحہ عمل بیان کیا ہے۔ تعمیر شخصیت کے لیے دو بنیادی عوامل سر گرم عمل ہوتے ہیں جن میں ذاتی کوشش اور ماحول شامل ہیں۔

اس کے علاوہ تعمیر شخصیت کے لیے ایمان و یقین، علم و دانش، تفکر، حسن اخلاق اور اعمال صالح لازم عوامل ہیں۔

اعلی معاشرے کے لیے اعلی افراد کی ضرورت ہوتی اور نوجوان نسل جو کہ کسی بھی قوم کا سرمایہ ہوتی ہے ان کی تربیت جتنے مثبت طریقے سے پروان چڑھے گی معاشرہ بھی اتنا ہی مثبت ہوتا جائے گا۔

دراساتِ تحقیق: (Literature Review)

تعمیر شخصیت اور کردار سازی ہر دور میں انسان کی ترجیحات میں سے رہی ہے۔ عصر حاضر میں تعمیر شخصیت یا personality development ایک جدید اور سلگھتا ہوا موضوع ہے۔اس موضوع پر اب تک لکھے جانے والے تحقیقی مقالہ جات، ریسرچ پیپرز اور کتب درج ذیل ہیں۔

مقالہ جات:

- **سیرت انبیاء کی روشنی میں خاندان کی اصلاح و تربیت، مقالہ نگار: تسنیم فاطمہ، ایم فل علوم اسلامیہ نمل 2024ء،**
- **Quranic concept of Personality Development: A Critical study with Reference of Five Factor Model of Personality, Ms. Hafsa Ayaz Qureshi, Ph.D. ,Islamic Thought and Culture NUML 2022**

- **تعمیر شخصیت میں عبادات کا کردار**، مقالہ نگار: زاہد علی، ایم فل علوم اسلامیہ یونیورسٹی آف لاہور، 2017
- **تعمیر شخصیت کے متعلق مغربی مفکرین کے نظریات کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں**، مقالہ نگار: عبدالکریم طاہر، پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ یونیورسٹی آف لاہور، 2016ء
- **قرآن حکیم کا موضوعاتی مطالعہ تعمیر شخصیت منتخب تفاسیر کی روشنی میں**، مقالہ نگار: حافظ حق نواز، ایم فل علوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، 2013ء
- **تعمیر شخصیت اور الہامی مذاہب تقابلی و تحقیقی مطالعہ**، مقالہ نگار: نسرین اصغر، ایم اے علوم اسلامیہ یونیورسٹی آف لاہور، 2001ء

قرآن کریم کی روشنی میں تعمیر شخصیت پر کام کیا گیا ہے۔ میرا موضوع سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کی روشنی میں تعمیر شخصیت مطالعہ ہے۔ عمومی طور پر ان سورتوں کی تفاسیر ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ ان سورتوں پر تعمیر شخصیت کے موضوع کے اعتبار سے کام نہیں ہوا۔

ریسرچ آرٹیکلز:

- **تعمیرِ شخصیت اور اصلاحِ قلب کا باہمی ربط (سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں)**، مقالہ نگار سجاد حسین، ڈاکٹر عبدالحمید، انکشاف، جلد نمبر 3، شمارہ 8، 2023ء
- Methodology of Quranic Stories in Character Building, Dr. Muhammad Umer Idrees, Dr. Irfanullah, IQAN, Vol: 3, Issue: 2, 2021.
- The concept of Islamic Personality and Spiritual Development, IJARBSS, Vol: 9, Issue:9, 2019
- **تعمیر شخصیت کے بنیادی اصول قرآن و سنت کی روشنی میں**، محمد فرقان گوہر، اسلام آباد اسلامکس جلد نمبر: 2 شمارہ 1: 2019ء
- **قرآن و حدیث کی روشنی میں تعمیر کردار و شخصیت اور نصاب اسلامیات**، مقالہ نگار محمد ایاز، قائد اعظم اکیڈمی فار ایجوکیشنل ڈیویلپمینٹ بہاولپور مجلہ IRJIS، جلد نمبر 1: 2019ء

- **افراد سازی میں خصوصی دلچسپیوں اور رجحانات کی افادیت سیرتِ طیبہ کی روشنی میں،** مقالہ نگار: علی طارق، البصیرہ، جلد نمبر 6، شمارہ 2017ء
- **تعمیر شخصیت کے جذباتی اجزاء احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں،** مقالہ نگار نسیم سحر صمد، مجلہ الایضاح، شیخ زید اسلامی سنٹر پشاور یونیورسٹی، جلد نمبر 27 شمارہ نمبر 2، 2013ء

کتب:

- **تعمیر سیرت کے لوازم،** نعیم صدیقی، ادارہ مطبوعات طلباء لاہور، 2016ء
- **قرآن میں غور و فکر اور تعمیرِ شخصیت**، ابو عبد الرحمٰن محمود بن الملاح، صبحِ نو پبلیکیشنز، 2009ء
- **تصوف اور تعمیر سیرت،** حافظ عبد الرزاق، دار العرفان چکوال، 2001ء
- **تعمیر سیرت کے مطلوبہ اوصاف،** فاروق اصغر صارم، فیاض پریس لاہور، 1999ء
- **تربیت اولاد کے اسلامی اصول،** محمد جمیل، جامعہ تعلیم القرآن گجرانوالہ، 1999ء
- **سورہ فاتحہ اور تعمیر شخصیت**، ڈاکٹر طاہر القادری، منہاج القرآن پبلشرز لاہور 1986ء
- **قرآن اور تعمیر سیرت**، ڈاکٹر میر ولی الدین، ندوۃ المصنفین جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن اردو بازار جامع مسجد دہلی، ستمبر 1978ء
- **اسلام اور تعمیر شخصیت**، میاں عبد الرشید، ادارہ ثقافت اسلامیہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز لاہور، 1976ء
- **Atomic Habits**, James Clear, Penguin Publishing Group, 2018
- **Psychology of Personality**, Jean M. Twenge & W.Keith Campbell, Pearson Publisher, 2016
- **Theories of Personality**, Daun Schultz & Sydney Ellen Schultz, University of South Florida, USA, 2015
- **The Road to Character**, David Brook, Random House USA, 2015
- **Personality: What Makes You The Way You Are**, Daniel Nettle, Oxford University Press, 2007
- **Personality Theory: Development, Growth and Diversity**, Bem P. Allen, Psychology Press Limited, London (UK) 1994

متذکرہ بالا مقالہ جات، ریسرچ پیپرز اور کتب میں تعمیر شخصیت کو مختلف جہات سے بیان کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ تعمیر شخصیت پر لکھی جانے والی کتب کا دائرہ کار قرآن اور بالخصوص ان سورتوں کے ساتھ محدود نہیں ہے جو میری تحقیق کا خصوصی موضوع ہیں۔

جواز تحقیق(Rationale of the Study)

انسان دن رات اپنی ترقی کے لیے جد وجہد کرنے میں مشغول ہے اور اپنی شخصیت سے مکمل غافل ہے چنانچہ انسان کی تعمیر شخصیت وقت کی اولین ضرورت بن چکی ہے کیونکہ مادہ پرست دور میں انسانیت اپنے حقیقی رتبہ کو کھو چکی ہے۔یوں اجتماعی طور پر معاشروں کو از سر نو اخلاقی اصولوں کی بنیاد پر تعمیر کرنے کی ضرورت ہے۔اس موضوع سے متعلق سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ لینے کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ تعمیر شخصیت کے اصول عمومی طور پر تو بیان ہوئے ہیں لیکن کسی خاص سورۃ اور اس کے نزول کے پسِ منظر میں بیان نہیں ہوئے۔تعمیر شخصیت معاشرہ کے لیے بنیادی اکائی ہے کیوں کہ معاشرہ افراد سے مل کر بنتا ہے۔اس لیے افراد کی شخصیت کی تعمیر ایک مضبوط اور باکردار معاشرے کے لیے بہت ضروری ہے۔مزید برآں قرآن کریم میں مذکور تعمیر شخصیت سے متعلق اصولوں پر تجزیہ نہیں ہوا۔بالخصوص سورۃالمزمل اور سورۃالمدثر میں مذکور تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کا سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں تجزیہ نہیں ہوا اور ان سورتوں سے ماخوز اصولوں کے تحت کسی فرد کی شخصی تعمیر کا تطبیقی جائزہ نہیں لیا گیا چنانچہ ان جہات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس موضوعِ تحقیق کا تجزیاتی اور تطبیقی اعتبار سے انتخاب کیا گیا ہے۔

بیان مسئلہ(Problem Statement)

قرآن حکیم انسانیت کی رہنمائی کے لیے اتاری گئی کتاب ہے جو ہر شعبہِ زندگی میں رہنمائی فراہم کرتی ہے۔قرآن کریم کا مخاطب انسان ہے۔انسان کی ترجیحات کو دیکھا جائے تو انسانی شخصیت ہمیشہ انسان کی ترجیحات میں رہی ہے۔پورا قرآن کریم بالعموم جبکہ سورۃالمزمل اور سورۃالمدثر بالخصوص انسان کی تعمیر شخصیت کے اصول فراہم کرتے ہیں۔عصر حاضر کے پیش نظر قرآن حکیم کی ان دو سورتوں کے تناظر میں تعمیر شخصیت کے اصولوں کو واضح کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان کی عصری تطبیق پیش کرتے ہوئے معاشرے کے افراد کی شخصیت سازی کی جا سکے۔

فصل دوم: مقاصدِ تحقیق، سوالاتِ تحقیق اور منہجِ تحقیق

مقاصد تحقیق(Research Objectives)

اس تحقیق میں مندرجہ ذیل مقاصد کو مد نظر رکھا جائے گا۔:

1. قرآن حکیم کا تصورِ تعمیر شخصیت واضح کرنا۔
2. سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کے پس منظر کی روشنی میں تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کا جائزہ لینا۔
3. سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر میں مذکور تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کا انطباق کرنا۔

تحقیقی سوالات(Research Questions)

اس تحقیق کے مد نظر سوالات مندرجہ ذیل ہوں گے:

1. قرآن حکیم کا تصور تعمیر شخصیت کیا ہے؟
2. سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کے پس منظر کی روشنی میں تعمیرِ شخصیت کے فکری اور عملی اصول کون سے ہیں؟
3. سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر میں مذکور تعمیرِ شخصیت کے فکری اور عملی اصولوں کی عصری تطبیق کیسے ممکن ہے؟

منہج تحقیق(Research Method)

- تحقیق کے معیاری دائرہِ کار میں رہتے ہوئے موضوعاتی اور تجزیاتی طریقہِ تحقیق کو اپنایا گیا ہے۔
- تعمیرِ شخصیت سے متعلق قرآنِ کریم سے اصول اخذ کیے گئے ہیں۔
- سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کا تجزیہ کرتے ہوئے سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں تعمیرِ شخصیت کے اصولوں تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- قرآنِ کریم اور سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر سے ماخوذ تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کی تطبیق کی گئی ہے۔

- تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کے تجزیہ کے لیے تعمیرِ شخصیت یا Personality Development کے موضوع پر لکھی گئی کتب سے استفادہ حاصل کیا گیا ہے۔
- بنیادی ماخذ میں قرآن کریم، کتب احادیث (صحیح بخاری)، کتب تفاسیر (تفہیم القرآن،تدبر قرآن، تفسیر ابن کثیر، قرآنی شعور و انقلاب)، لغات القرآن (مفردات القرآن) اور کتب سیرۃ (سیرت ابن ہشام، محسن انسانیت،اسوہ کامل) سے استفادہ کیا گیا ہے۔
- تحقیقی معیار کے لیے نمل یونیورسٹی کے ریسرچ فارمیٹ/پالیسی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

ابواب وفصول کی تقسیم وترتیب (Chapterization of Research)

اس تحقیق کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب اول: تعارفی مباحث

فصل اول: موضوعِ تحقیق کا تعارف اور ضرورت واہمیت، دراساتِ سابقہ اور جوازِ تحقیق

فصل دوم: مقاصدِ تحقیق، سوالاتِ تحقیق، منہجِ تحقیق

تعمیر شخصیت کا مفہوم اور ضرورت واہمیت

باب دوم: قرآنِ حکیم اور تعمیرِ شخصیت کے اصول

فصل اول: انسانی زندگی کا فکری پہلو اور تعمیرِ شخصیت کے قرآنی اصول

فصل دوم: انسانی زندگی کا عملی پہلو اور تعمیرِ شخصیت کے قرآنی اصول

باب سوم: سورۃ المزمل والمدثر کے پس منظر کی روشنی میں فکری اور عملی اصول اور تعمیرِ شخصیت کے اصول

فصل اول: سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کا بنیادی تعارف و مضامین

فصل دوم: سورۃ المزمل و سورۃ المدثر کے پس منظر کی روشنی میں تعمیرِ شخصیت کے اصول

باب چہارم: سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کے تعمیر شخصیت کے اصولوں کی عصری تطبیق

فصل اول: سورۃ المزمل اور تعمیر شخصیت کے اصولوں کی عصری تطبیق

فصل دوم: سورۃ المدثر اور تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کی عصری تطبیق

خلاصہ

نتائج وسفارشات

فہارس

باب اول: تعارفی مباحث:

تعمیرِ شخصیت کا مفہوم اور ضرورت و اہمیت:

دینِ اسلام کو جو تازگی عطا کی گئی ہے وہ ہر دور میں مجد دین کے ذریعے آشکار ہوتی رہی ہے۔ ہر زمانہ میں دینِ حق کی اس نا قابلِ تنسیخ خوبی کو دھندلانے کے لیے انسان دشمن طاقتوں نے طرح طرح کے حربے آزمائے لیکن وہ تمام طاقتیں شکست کھاتی رہیں۔ دینِ اسلام فطری اصولوں پر مبنی ہے جو ہر دور میں انسانی ضروریات و مشکلات کا حل پیش کرنے والا ہے۔ دینِ اسلام کا منبع اور مصدرِ اول قرآنِ حکیم ہے جو اللہ کی طرف سے جبرئیلؑ کے واسطہ سے محمد رسول اللہ ﷺ پر اتارا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے فیض سے یہ دنیا ہر دور میں منور ہوتی رہی۔ قرآن کا مخاطب انسان ہے اور قرآن کا مقصد دنیا میں خرابیوں کا خاتمہ کر کے ان خوبیوں کو قائم کرنا ہے جن کی بدولت معاشروں کی متوازن تشکیل ہو سکتی ہے۔

تاریخِ انسانی میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی کے لیے ہر دور میں اپنے احکامات کتب اور صحائف کی صورت میں انبیاء علیہم السلام کے ذریعے بھیجے۔ اسی طرح اہلِ عرب جو کہ دینِ ابراہیمیؑ کے دعوے دار تھے وہ پستی اور ذلت کی اس نہج پر جا چکے تھے کہ دینِ ابراہیمیؑ کی تعلیمات سے محروم ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کو عظیم ذمہ داری سونپی گئی۔ یہ ذمہ داری عمومی اور خصوصی انقلاب کی تکمیل تھی۔ عمومی انقلاب سے مراد عرب قوم کی اصلاح اور عرب معاشرے میں سماجی تبدیلی تھی جبکہ خصوصی انقلاب سے مراد پوری دنیا میں سماجی تبدیلی اور اسلام کا پیغام پہنچانا تھا۔ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد تمام انسانیت کی رہنمائی اور ہدایت تھا۔ جس کے لیے آپ ﷺ نے ایک جماعت تیار کی۔ یہ جماعت دنیا کی بہترین جماعت بنی۔ اس جماعت کی تربیت اور تکمیلِ شخصیت رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائی۔ جماعت کی تشکیل کے بعد لائحہِ عمل اپنایا گیا جس کی وضاحت سیرتِ طیبہ ﷺ اور تاریخ میں ملتی ہے۔ یہ جماعت رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی بعثت کے مقصد کی تکمیل کے لیے دنیا میں پھیل گئی تاکہ تمام انسانیت تک ہدایت و رہنمائی کا پیغام عام ہو جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ[1]

ترجمہ: پس جو شخص حاضر ہے اسے چاہیے کہ غائب کو یہ (بات) پہنچادے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کائنات کی بیش قیمت تخلیق ہے۔ انسان کی بناوٹ میں اہم ترین چیز شخصیت ہے۔ جس قدر تعمیر اور مرتب شدہ شخصیت ہو گی اس قدر سماجی تبدیلی میں کردار ادا کر سکے گی۔ انسانی شخصیت ہر دور میں انسان کی ترجیحات میں شامل رہی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شخصیت کی تعمیر کس طرح ممکن ہے اور تعمیرِ شخصیت کے لیے کون کون سے اصول کارآمد ہوں گے۔ لہٰذا اس امر کے پیشِ نظر شخصیت کے مفہوم کو سمجھ کر قرآنِ حکیم کے اصولوں کو واضح کیا گیا ہے جن کی بناء پر شخصیت کی تعمیر کی جاسکتی ہے۔

تعمیرِ شخصیت کا مفہوم اور ضرورت واہمیت:

تعمیرِ شخصیت انتہائی وسیع موضوع ہے۔ یہ ہمیشہ انسان کے لیے اہمیت کا حامل رہا ہے۔ اس کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے کچھ تعریفات سے مدد لی جاسکتی ہے۔ "شخصیت ایک نفسیاتی اور بدنی وحدت ہے جہاں جذباتی اور بدنی سطحات کے واقعات مختلف طریقوں سے ایک دوسرے پر اثرانداز ہوتے ہیں۔""" جو کچھ ایک فرد ہے اور جو وہ تجربات کرتا ہے اگر اس سب کو بطورِ وحدت سمجھا جاسکے تو یہی اس کی شخصیت ہے۔"[2]

شخصیت ایسی اصطلاح ہے جو انفرادیت سے کہیں وسیع ہے۔ اس میں فرد سے متعلق تمام نفسیاتی اعمال اور کیفیتوں کا ترتیب شدہ مجموعہ شامل ہے۔ اہلِ مغرب نفسِ انسانی کے متعلق محدود علم رکھتے ہیں جس کے سبب ان کی شخصیت کی تعریف نامکمل ہے۔ یہ بات قابلِ قبول ہے کہ تعمیرِ شخصیت کے لیے شعوری کوشش اور محنت لازمی ہے۔

چنانچہ شخصیت اور تخلیقِ شخصیت پر گفتگو کرتے ہوئے میاں عبدالرشید اپنی کتاب اسلام اور تعمیرِ شخصیت میں راس سٹیگنر کی کتاب سے تعمیرِ شخصیت کی تعریف نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "شخصیت حاصل کی جاتی ہے۔ شخصیت

---

1 محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع کتاب العلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: رب مبلغ أوعی من سامع، ادارہ مصباح العلم، لاہور، 2009ء

2 میاں عبدالرشید، اسلام اور تعمیرِ شخصیت، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ص: 2، کلب روڈ لاہور

ان اعمال کا نتیجہ ہے جو ہم کرتے ہیں۔ شخصیت ترتیب دی جاتی ہے۔ ہم خود اپنی شخصیتیں تخلیق کرتے ہیں۔ ہر شخصیت منفرد ہے۔ شخصیت تکمیلِ حیات کا پکا ہوا پھل ہے۔"[1]

قرآن حکیم تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کو موثر اور قابلِ فہم انداز میں بیان کرتا ہے۔ قرآن وہ معجزاتی اور فطری اصول فراہم کرتا ہے جن کو افراد و اقوام نے مختلف ادوار میں اپنا کر عروج پایا۔ اس کے بر عکس بعض افراد اور اقوام نے ان اصولوں سے رو گردانی کر کے ذلت و رسوائی کا سامنا کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی لائی شریعت تعمیرِ شخصیت کے لیے جامع پروگرام فراہم کرتی ہے جس پر چل کر افراد اور اقوام اپنی تعمیر کر سکتے ہیں۔ شریعتِ محمدی ﷺ میں ہمیں قرآن اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے کامل لائحہ عمل ملتا ہے جس کی بدولت ان اصولوں کو عمل میں لانا بھی انتہائی آسان ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بھیجا اور آدم و حوا علیہم السلام کے جوڑے سے انسانیت کو پھیلایا۔ ان انسانوں کے مجموعہ سے اقوام و قبائل کو وجود بخشا۔ اقوام و قبائل کے یہ گروہ مل کر معاشروں کو تشکیل دینے کا سبب بنے۔ انسان منفرد نوعیت کی تخلیق ہے۔ انسان کو دماغ، بدن اور روح سے تیار کیا گیا ہے۔ اس کی تخلیق میں رکھی گئی یہ تین اشیاء اس کی شخصیت کی تشکیل میں کردار ادا کرتی ہیں۔ عقل، جسم اور روح کے وجود سے انسان کی شخصیت کے اجزاء پر دلالت ہوتی ہے۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی شخصیت افکار، اعمال اور اخلاق کا مجموعہ ہے۔ انسانی شخصیت کا خام مال اللہ نے عطا کر دیا۔ دماغ یا عقل کا وجود افکار سے وابستہ ہے۔ اعمال کو سرانجام دینے کا آلہ جسم کو بنایا گیا۔ اخلاق اور روح ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اس دنیا میں آنے سے ہی ثابت ہوا کہ انسان اجتماعیت پسند ہے۔ اس کی ترقی اور تنزلی دونوں کا ثمر اجتماعیت میں مضمر ہے۔ اجتماعی آبیاری متوازن معاشرے کی تشکیل کا سبب بنتی ہے اسی طرح اجتماعی زوال معاشروں کو تباہ کر دیتا ہے۔ یہ عروج و زوال افراد کا عروج و زوال ہوتا ہے کیونکہ معاشرے کی تشکیل اور اس کی نوعیت افراد کی شخصیت پر منحصر ہوتی ہے۔ چنانچہ صحت مند معاشرہ افراد کی تعمیر شدہ شخصیت کا ثبوت ہوتا ہے۔

تعمیرِ شخصیت کا جامع پروگرام وہی ہو سکتا ہے جس میں روح، عقل اور بدن تینوں کی آبیاری کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ تعمیرِ شخصیت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی بعثت کے بعد

---

1 راس سٹیگنر، نفسیاتِ شخصیت، میاں عبد الرشید، اسلام اور تعمیرِ شخصیت۔ ص: 6، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، 1976ء

سب سے پہلے لوگوں کے افکار پر توحید کی ضرب لگائی۔ افکار کی درستگی کے بعد اعمالِ فاسدہ کی اصلاح کی۔ اس کے بعد اُن لوگوں کی روحانی آبیاری کر کے ان کے اخلاق کو سنوارا۔ انسان ہر دور میں روح، بدن اور عقل و فکر کے مجموعہ سے کسی حد تک آشنا رہا ہے لیکن ایسا جامع لائحہِ عمل نہیں بنا سکا جو انسان کی شخصیت کی مکمل تشکیل کر سکے۔ قدیم یونانی جمہوریت کی آدھی آبادی غلاموں پر مشتمل تھی حالانکہ انسان فطری طور پر آزادی پسند ہے۔ ایسے میں کس طرح شخصیت کی تعمیر ہو سکتی ہے؟ اسی طرح بدھ مت مذہب نے بدن کی ضروریات سے آنکھیں پھیر لیں اور یہودیت تورات کی حقیقی تعلیم کے بجائے رسوم و قیود پر محدود ہو گئی جس کے نتیجہ میں روح کی ترقی اور تعمیر نہ ہو سکی۔ اسی طرح عیسائیت نے انجیل کی حقیقی و فطری تعلیمات کے بجائے معاشرے کو بالکل ہی آزاد چھوڑ دیا جس کے سبب وہ نہ تو افراد کی تعمیر کر سکے اور نہ ہی یونانی جمہوریت، بدھ مت، یہودیت اور عیسائیت متوازن معاشرہ تشکیل دے سکی۔

باب دوم: قرآن حکیم اور تعمیرِ شخصیت کے اصول

فصل اول: انسانی زندگی کے فکری پہلو اور تعمیرِ شخصیت کے قرآنی اصول

فصل دوم: انسانی زندگی کے عملی پہلو اور تعمیرِ شخصیت کے قرآنی اصول

فصل اول: انسانی زندگی کے فکری پہلو اور تعمیرِ شخصیت کے قرآنی اصول:

انسان کی بناوٹ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان جسم، عقل اور روح کا مجموعہ ہے۔ انسان کے اندر قلب موجود ہے جو مادی وجود کے روح کے ساتھ تعلق کا ذریعہ ہے۔ ہر قلب میں حقیقی خالق کا فطری احساس موجود ہے۔ بدن انسانی وجود کی چار دیواری نہیں بلکہ ایک ایسا حصہ ہے جسے موت کے ذریعہ انسان کے وجود سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ عقل کے ذریعہ انسان سوچتا ہے چنانچہ کبھی نہ کبھی انسان کے ذہن میں یہ سوال لازمی آتا ہے کہ اس کا مقصدِ حیات کیا ہے؟ انسان کے مقصدِ حیات کو کسی محدود مقصد سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کا مقصدِ حیات رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ اس امر کے پیشِ نظر پیدائش سے موت تک انسان جو سفر طے کرتا ہے وہ افکار اور اعمال کے پہیوں پر کرتا ہے۔ اس مقصدِ حیات کے حصول کے لیے انسان فکری اور عملی اصولوں کو اپناتا ہے تا کہ اپنی ایسی تشکیل کر سکے جو رضائے الٰہی کے حصول کا سبب ہو۔ پس انسان فکری اور عملی پہلوؤں کے پیشِ نظر زندگی گزارتا ہے۔ قرآنِ حکیم انسان کو فکری اور عملی اصول مہیا کرتا ہے جو اس کی متوازن شخصیت کی تعمیر اور تکمیل میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

چنانچہ قرآن حکیم سے حاصل ہونے والے چند فکری اصول درج ذیل ہیں:

مقصدِ حیات:

انسان اپنی زندگی کسی مقصد اور نصب العین کے حصول کے لیے گزارتا ہے۔ قرآن حکیم اللہ کا کلام ہے جو انسانیت کی کامل رہنمائی کے لیے اتارا گیا۔ قرآنِ حکیم کی ترتیبِ توقیفی کو دیکھا جائے تو یہ انقلابی کتاب اپنی پہلی سورت سے ہی انسانی زندگی کو انقلاب اور بڑھوتری کی راہ پر ڈالتی ہے۔ قرآنِ حکیم کی پہلی سورت سورۃ الفاتحہ ہے۔ اس سورت میں قرآن انسان سے ہم کلام ہوتا ہے اور انسان کو مقصدِ حیات دیتا ہے۔ چناچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾[1]

ترجمہ: ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام کیا نہ کہ ان لوگوں کے راستے کی جن پر غضب نازل ہوا ہے اور نہ ان کے راستے کی جو بھٹکے ہوئے ہیں۔

[1] سورۃ الفاتحہ: 7

ہدایتِ خداوندی کا حصول انسان کا مقصدِ حیات ہے۔ جس کا درجہِ اولیٰ تمام مخلوقات کے لیے عمومی ہے لیکن دوسرا درجہِ ہدایت خاص ہے جس کا تعلق ان چیزوں کے ساتھ ہے جن کو ذوی العقول کہتے ہیں [1]۔اس پہلی سورت میں ہی صراطِ مستقیم کو انسان کا مقصدِ حیات قرار دیا گیا۔اس آیت سے تعمیرِ شخصیت کے لیے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ پہلے صراطِ مستقیم کو دعائیہ انداز میں طلب کیا گیا۔اس کے بعد اَلَّذِينَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ کی اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کے ساتھ مناسبت معلوم ہوتی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک ایسا گروہ موجود ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل اور احسان کیا۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمکنار ہونے والی شخصیات ملائکہ ،انبیاء، صدیقین اور شہداء ہیں۔اسی طرح غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ کی نسبت مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ کے ساتھ معلوم ہوتی ہے یعنی ایک ایسا گروہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہوا اور گمراہ ہو گیا[2]۔اس گروہ سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں لیکن اس کا اطلاق محض یہود و نصاریٰ پر نہیں ہوتا بلکہ المغضوبِ اور الضالین غیر متوازن شخصیت ہے جو ہر دور میں موجود ہوتی ہے۔انعام یافتہ گروہ کی منزل دارالانعام ہے جبکہ گمراہ گروہ کی منزل غضب اور ذلالت ہے۔

قرآن کریم کے اس اندازِ بیان سے واضح ہوتا ہے کہ انسان بے مقصد زندگی نہیں گزارتا کیوں کہ سورۃ الفاتحہ اس کے مقصد حیات کے تعین کی دلیل ہے۔سورۃ الفاتحہ ہی سے متوازن شخصیت کی تشکیل کے لیے مقصدِ حیات بطورِ اصول متعین ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو مقصدِ حیات ابتدا میں بتا دیا۔اس کے بعد انسانی شخصیت میں نشیب و فراز آتے رہے۔قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے ان نشیب و فراز کے متعلق فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ﴾[3]

ترجمہ: اے انسان تجھ کو اپنے پروردگار سے کس چیز نے دھوکا دیا۔

[1] عثمانی، مفتی محمد شفیع، تفسیر معارف القرآن، ج:1، ص:11، فرید بکڈپو دہلی، 1998

[2] حافظ محمد ادریس کاندہلوی، تفسیر معارف القرآن، ج:1، ص:28-27، مکی مدنی پرنٹرز لاہور، 2009

[3] سورۃ الانفطار:06

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان مقصدِ حیات سے رو گرداں ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے توجہ دلائی کہ دھوکہ میں مت پڑو۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر دور میں انسانوں میں گمراہ ہونے والا یا دھوکہ میں پڑنے والا گروہ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اَلَّذِینَ اَنعَمتَ عَلَیہِم میں اور سورۃ مریم میں انعام یافتہ لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا إِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا﴾[1]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے اپنے پیغمبروں میں سے فضل کیا۔(یعنی) اولاد آدم میں سے اور ان لوگوں میں سے جن کو نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا اور ابراہیم اور یعقوب کی اولاد میں سے اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت دی اور برگزیدہ کیا۔جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدے میں گر پڑتے اور روتے رہتے تھے۔

یہ آیت اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں پر مشتمل جماعت کا ذکر کرتی ہے۔یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام کیا۔ یہاں اَنعَمتَ عَلَیہِم والی جماعت کا انداز بیان کر دیا گیا۔یہ لوگ اہلِ نصب العین تھے۔اس سلسلہ میں ان کا انداز یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور انعام کے باوجود سجدہ ریز ہو کر آہ و بکا کرنے والے تھے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ متوازن شخصیت کی تشکیل میں ان انعام یافتہ لوگوں کی اتباع سے بہتر نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

انسان اس کائنات کی بیش قیمت تخلیق ہے۔اس کی تشکیل میں افکار، اعمال اور اخلاق جیسے پہلو کارفرما ہیں۔ عالمِ ارواح ہی سے انسان کو تصورِ کامیابی و ناکامی حاصل ہو چکا تھا۔اس دنیا میں آنے سے لے کر اس دنیا سے واپس جانے تک انسان مسلسل کامیابی کے حصول اور ناکامی سے اجتناب کی جدوجہد میں لگا رہتا ہے۔ہر دور میں انسان نے کامیابی اور ناکامی کے دائرۂ کار کو ماپنے کے پیمانے رکھے ہیں۔ان پیمانوں کی بنیاد مختلف افکار پر رہی ہے۔انسان ان افکار کی بنیاد پر اعمال کرتا رہا اور اخلاق کی تشکیل کے لیے مختلف طریقہ ہائے تربیت اپناتا رہا۔[2]

پس ثابت ہوا کہ انسانی تربیت ہر زمانہ میں انسانی ترجیحات میں شامل رہی ہے۔کامیابی و ناکامی کے تصور پر عمل پیرا ہونے کے لیے مقصدِ حیات کا ہونا ضروری ہے۔انسان کے مقصدِ حیات کا جامع بیان قرآنِ حکیم میں وارد ہے:

---

1 سورۃ مریم:58

2 آزاد، ابوالکلام، ام الکتاب، خزینہ علم و ادب، ص:285-284، لاہور، 2011

﴿وَالْعَصْرِ ۙ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۙ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾[1]

ترجمہ: "زمانہ کی قسم۔ کہ انسان نقصان میں ہے۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔"

قرآنِ حکیم کی یہ جامع سورۃ انسانی مقصدِ حیات کا جامع لائحہِ عمل بیان کر رہی ہے۔ آیت نمبر ۳ میں کامیابی کی ضمانت اہلِ ایمان مع اعمالِ صالح اور اخلاقِ حمیدہ کے حامل کو دی گئی ہے۔ یہ سورۃ انسان کی کامیابی کے اس لائحہ عمل کو بیان کر رہی ہے جو اللہ تعالیٰ کو مقصود ہے۔ یہ آیت انسانی تربیت کے تین عوامل کو بھی واضح کر رہی ہے جو کہ فکری، عملی اور اخلاقی تربیت ہیں۔ اس آیت کی روشنی میں ایمان فکری تربیت، اعمالِ صالح عملی تربیت اور حق و صبر کی تلقین اخلاقی تربیت کی مثال ہے۔ چناچہ فکری، عملی اور اخلاقی تربیت سے ہی انسانی شخصیت کی تعمیر ہو سکتی ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارکہ ہے:

إنَّ اللَّه تعالى يقولُ يا ابن آدم : تفرَّغْ لعبادتي أملأْ صدرَكَ غنى وأسدَّ فقرَكَ وإن لا تفعل ملأت يديكَ شغلاً ، ولم أسدَّ فقرَكَ2.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے انسان! تو میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا میں تیرا سینہ غنا سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی کا دروازہ بند کر دوں گا اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میں تیرے دونوں ہاتھ مصروفیات سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی کا دروازہ بند نہیں کروں گا۔

ہر ایک سورتِ قرآنیہ میں غور کیا جائے تو جگہ جگہ تعمیرِ شخصیت کے وہ اصول ملتے جن کی بنیاد پر عصرِ حاضر میں زوال شدہ معاشرے کے افراد کی شخصی تعمیر کر کے ایک صالح معاشرہ کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے کیونکہ معاشرہ افراد کے مجموعہ ہی کا نام ہے۔ اسی طرح قرآنِ حکیم کی دیگر سورتوں میں بھی ایسے بے شمار مضامین سمائے ہوئے ہے۔

---

[1] سورۃ العصر: 3-1

2 ترمذی، الجامع ترمذي، ج:2، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابواب القیامۃ، حدیث: 2466، اسلامی کتب خانہ لاہور

ایمان ویقین:

ایمان کی مضبوطی یا کمزوری انسانی افکار پر اثرانداز ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ایمان کی درستگی انسان کی فکر میں استحکام اور اضطراب ایمان میں خرابی پیدا کر سکتی ہے۔قرآن نے جابجا ایمان کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ایک مضبوط ایمان ہی انسان کو زندگی کی مشکلات کا سامنا کرنے کی طاقت دیتا ہے۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ[1]﴾

ترجمہ: مومنو! خدا سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔

ایمان باللہ کا عقیدہ انسان کے لیے ایک بلند اور اعلیٰ نصب العین کی مانند ہے۔ایمان باللہ ہی کے ذریعے وحدتِ انسانیت کا تصور ممکن ہو سکتا ہے۔ایمان اعمالِ صالح میں کردار ادا کرتا ہے اور مضبوط ایمان باعمل اور مستحکم شخصیت کی علامت ہے۔یہ آیت ایمان کے استحکام کا اصول دیتی ہے۔استحکامِ ایمانی کا تعلق ایمان کے ادراک اور احساس بندگی سے ہے۔احساسِ بندگی سے اعمال سرانجام پاتے ہیں جو کہ ایمان کی مضبوطی میں کردار ادا کرتے ہیں۔شعوری طور پر ادراکِ ایمان ہی ایمان کی مضبوطی کے لیے سعی کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم متوازن شخصیت کو فکری استحکام دینے کا اہتمام کرتا ہے۔[2]

ایمان ویقین کا تعلق انسانی افکار کے ساتھ ہے۔ایمان ویقین کی مثال بیج کی سی ہے۔ایمان ویقین عمل کو تحریک دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ایمان ویقین کی اصلاح انسان کے افکار میں بہتری لاتی ہے۔ایمان ویقین کا تعلق ایسی چیز سے ہے جو ناممکن کو انسان کے شعور میں ممکن قرار دیتا ہے۔قرآن حکیم نے جابجا ایمان ویقین اور عملی زندگی کے ساتھ اس کے تعلق کو بیان کیا ہے۔چنانچہ اہلِ ایمان کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾[3]

---

[1] سورۃ آل عمران:102

[2] ندوی، سید ابوالحسن، مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی، ص:167 مجلس نشریات اسلام، کراچی، 2008ء

[3] سورۃ البقرۃ:3

ترجمہ: جو غیب پر ایمان لاتے اور آداب کے ساتھ نماز پڑھتے اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

سورۃ البقرۃ کی اس ابتدائی آیت میں تعیرِ شخصیت کا بنیادی اصول عطا کیا گیا ہے جو ایمان ویقین ہے۔ اسی آیت میں سے تعمیرِ شخصیت کے دو اصول اور ملتے ہیں جو اطاعت بصورتِ نماز قائم کرنے اور سخاوت اللہ کے عطا کردہ میں سے خرچ کرنے کی صورت میں ہیں۔ یعنی کہ ایمان لانے کا اثر اعمال کے بجالانے سے ثابت ہوتا ہے۔ پھر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ﴾[1]

ترجمہ: اور جو کتاب (اے محمد ﷺ) تم پر نازل ہوئی اور جو کتابیں تم سے پہلے (پیغمبروں پر) نازل ہوئیں سب پر ایمان لاتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔

اس آیت میں اہلِ ایمان کی تعریف کرتے ہوئے ایمان ویقین کا اصول فراہم کیا جارہا ہے۔ یقین عمل کو تحریک دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی طرح بغیر دیکھے کو سچ مان لینا یقین کا احسن درجہ ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾[2]

ترجمہ: جو لوگ کافر ہیں انہیں تم نصیحت کرو یا نہ کرو ان کے لیے برابر ہے۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

﴿خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾[3]

ترجمہ: خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا رکھی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب (تیار) ہے۔

---

[1] سورۃ البقرۃ: 4

[2] سورۃ البقرۃ: 5

[3] سورۃ البقرۃ: 6

سابقہ آیاتِ قرآنیہ میں ایمان ویقین کے اصول پر بہت زور دیا گیا ہے۔ان دو آیات کی تعلیم سے یہ اصول بھی نکل آیا کہ اقوامِ عالم کے گروہوں میں ایسی تقسیم جو اصول پر اثرانداز ہو سکے وہ اصول و نظریات کے ہی اعتبار سے ہو سکتی ہے۔[1]

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ فِي حَجَّةِ الوَدَاعِ: «اسْتَنْصِتِ النَّاسَ» فَقَالَ: «لاَ تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ»[2]

ترجمہ: نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ان سے فرمایا: ''لوگوں کو خاموش کراؤ۔''اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''اے لوگو! میرے بعد ایک دوسرے کی گردنیں مار کے، پھر کافر نہ بن جانا۔

یوں ثابت ہوا کہ ایمان ویقین انسانی شخصیت کی فکری بڑھوتری میں کردار ادا کرتا ہے۔اس کے برعکس ایمان ویقین سے محروم شخصیت بظاہر مکمل ہونے کے باوجود فکری طور پر اپاہج ہوتی ہے۔

اطاعتِ رسول ﷺ کا فکری پہلو:

انسانی شخصیت ہمہ وقت تربیت کے مراحل سے گزر رہی ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ دنیا کے مسائل کو اپنی تعلیمات کے ذریعہ حل کیا۔ قرآن حکیم نے جا بجا اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول کا تذکرہ ایک ساتھ کیا۔ بعض مقامات پر صرف اطاعتِ رسول کا تذکرہ کیا گویا اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول کو دو متضاد یا علیحدہ حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا[3]۔انسانی شخصیت کی اصلاح کا پہلا ذریعہ وحی ہے جب کہ انبیاء ورسل اپنی شخصیت کے جواہر سے انسانی تربیت کا اہتمام کرتے ہیں۔اس سے ثابت ہوا کہ انسانی شخصیت کے فکری پہلوؤں میں سے ایک اطاعتِ رسول ہے۔قرآن حکیم نے اطاعتِ رسول کی اہمیت کو مختلف مقامات پر وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] عثمانی، تفسیر عثمانی، جلد: 1، ص: 23

2 بخاری، صحیح البخاری، کتاب العلم، باب الإنصات للعلماء، ج: 1، حدیث: 121

[3] مولانا محمد حنیف ندوی، قرآن حکیم اور اطاعت رسول ﷺ، ماہنامہ سوئے حرم، ص: 14، 2005

﴿مَنۡ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدۡ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَن تَوَلَّىٰ فَمَا أَرۡسَلۡنَاكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيظًا﴾[1]

ترجمہ: جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک اس نے خدا کی فرمانبرداری کی اور جو نافرمانی کرے گا تو اے پیغمبر تمہیں ہم نے ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

اسی طرح اطاعتِ رسول کے فکری تقاضا کے پیشِ نظر قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَرۡسَلۡنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذۡنِ اللَّهِ﴾[2]

ترجمہ: اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ خدا کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے۔

سورۃ نور میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلۡيَحۡذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنۡ أَمۡرِهِ أَن تُصِيبَهُمۡ فِتۡنَةٌ أَوۡ يُصِيبَهُمۡ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[3]

ترجمہ: جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیئے کہ (ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔

ان آیات پر غور کیا جائے تو فکر و نظر کے کئی نکات سامنے آتے ہیں۔ یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ اطاعت رسول دین کی اتنی اہم اساس ہے کہ جس کے انکار کا سبب کفر ہو سکتا ہے۔ اطاعتِ رسول حبِ الہیٰ کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح اطاعتِ رسول سے انحراف اعمال کے ضیاع کا سبب بن سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ عَصَى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي[4]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے گویا اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے میرے امیر کی بات مانی اس نے میری بات مانی اور جس نے میرے امیر کی خلاف ورزی کی اس نے گویا میری خلاف ورزی کی۔

---

[1] سورۃ النسا: 80

[2] سورۃ النسا: 24

[3] سورۃ النور: 23

4 بخاری، صحیح بخاری، کتاب القضا، باب قول اللہ تعالی أطیعوا اللہ و أطیعوا الرسول و أولي الأمر منکم، ج: 8، حدیث: 7137

قرآن کریم اور اسی طرح یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ ہر پیغمبر اس لیے مبعوث ہوا کہ اس کی پیروی کی جائے۔[1] الغرض متوازن شخصیت کی فکری تشکیل کے لیے جہاں ایمان ویقین کی درستگی لازم ہے وہیں اطاعتِ رسول کا فکری پہلو تکمیلِ شخصیت کی بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

ایمان بالملائکہ کا فکری پہلو

قرآنی اصولوں پر مبنی انسانی شخصیت کی تکمیل کے لیے فکری استحکام لازمی ہے۔ فکری طور پر انسانی شخصیت کا شرک اور شرک کے شبہ سے پاک ہونا ضروری ہے۔ اس امر کے پیشِ نظر فرشتوں پر ایمان لانا ایمان باللہ کا ضمیمہِ لازمہ ہے۔ اس کا مقصد محض فرشتوں کے وجود کا اعتراف نہیں بلکہ عالمِ وجود میں ان کی حیثیت کو جاننا ہے تاکہ ایمان باللہ خالص توحید پر مبنی ہو اور شرک کے کسی شائبہ کا گزر بھی ممکن نہ ہو۔ متوازن شخصیت کی تعمیر و تشکیل کے لیے فرشتوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ فرشتوں پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟ اس بات کو سمجھنے کے لیے ضرورت ہے کہ اس بات کو سمجھا جائے کہ اس کائنات کے دو حصے ہیں۔ ایک عالمِ امر ہے جہاں سے مخلوق کے لیے احکامات جاری ہوتے ہیں۔ دوسرا حصہ عالمِ خلق ہے جس میں انسان زندگی گزارتا ہے۔ متوازن شخصیت کی تشکیل کے لیے اللہ، انبیاء اور کتب پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ملائکہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کا مقصد ملائکہ کا درست تصور حاصل کرنا ہے کیوں کہ نصاریٰ، مشرکین اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ہاں کبھی ملائکہ کا درست تصور نہیں رہا۔ قرآن کریم نے ملائکہ کا درست تصور دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں اور کتب کا تعلق انسان کے ساتھ ہے جبکہ ملائکہ کا تعلق کل کائنات کے ساتھ ہے۔ اس کائنات میں تدبیرِ امر کے لیے مقرر کردہ قوتوں کا نام ملائکہ ہے۔ عالمِ امر سے احکامات فرشتوں پر اترتے ہیں۔ فرشتے اُن احکامات کو انبیاء تک پہنچاتے ہیں اور اس کے بعد احکامات کتاب کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خالق اور مخلوق کے درمیان رابطہ کے لیے شکل پانے والی درجہ بندی کا ایک ضروری جزو ملائکہ ہیں جن کے بغیر انسان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ملائکہ کے تصور کا درست تعین اور ایمان ضروری ہے۔

---

[1] نعیم صدیقی، رسول اور سنتِ رسول، ادارہ مطالعہ و تحقیق، لاہور، 2011، ص: 39-38

قرآن مجید نے ایک طرف خدا کے وجود، صفات اور افعال میں خالص اور کامل توحید قائم کی اور دوسری طرف ملائکہ کا ایک صحیح تصور پیش کیا تاکہ وہ دروازہ ہی بند ہو جائے جس سے شرک داخل ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے فرشتوں کی حقیقت سے کوئی بحث نہیں کی۔ انسان کے لیے نہ اس میں کوئی فائدہ ہے اور نہ اسے انسان سمجھ سکتا ہے۔ اصل مسئلہ جو تصفیہ طلب تھا وہ صرف یہ تھا کہ نظامِ وجود میں فرشتوں کی حیثیت کیا ہے؟ اس بات کو قرآن مجید نے خوب واضح کر دیا۔ قرآن کریم میں ملائکہ کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا﴾[1]

ترجمہ: پھر (دنیا کے) کاموں کا انتظام کرتے ہیں۔

قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خود ملائکہ کا تعارف کروادیا جس سے ملائکہ کے متعلق تمام شرکیہ تصورات کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَاكُم بِالْبَنِينَ﴾[2]

ترجمہ: کیا اس نے اپنی مخلوقات میں سے خود تو بیٹیاں لیں اور تم کو چن کر بیٹے دیئے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانی فکر کی خرابی کو بیان کیا کہ یہ گمراہ جماعت فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں تصور کرتی ہے جبکہ اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہیں۔ یہ ایک قوم کی فکر کا تجزیہ ہے جس کا سبب ملائکہ کے متعلق درست تصور کی عدم موجودگی تھی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ﴾[3]

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ خدا بیٹا رکھتا ہے۔ وہ پاک ہے (اس کے نہ بیٹا ہے نہ بیٹی) بلکہ (جن کو یہ لوگ اس کے بیٹے بیٹیاں سمجھتے ہیں) وہ اس کے عزت والے بندے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی ملائکہ کے متعلق تصور کی اصلاح کی تاکہ شرک جیسی گندگی سے حفاظت ہو سکے۔

---

[1] سورۃ النازعات: 05

[2] سورۃ الزخرف: 16

[3] سورۃ الانبیاء: 26

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ﴾[1]

ترجمہ: جو کچھ ان کے آگے ہو چکا ہے اور پیچھے ہو گا وہ سب سے واقف ہے اور وہ (اس کے پاس کسی کی) سفارش نہیں کر سکتے مگر اس شخص کی جس سے خدا خوش ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو کائنات کی تنظیم پر مامور کر رکھا ہے۔ انسان نے جب فرشتوں کی طاقت کو جانا تو اس کے ذہن میں طاقت کے سبب شرکیہ تصور نے جنم لیا۔ اسی لیے سابقہ اقوام کے ہاں ملائکہ کو سفارش کرنے والا بھی تصور کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اُن کی ذمہ داری کو واضح کرتے ہوئے کفر کے اس پہلو کا سدِ باب کر دیا۔

ملائکہ اس کائنات کی خاص تخلیق ہیں جن کی اپنی ذمہ داریاں ہیں۔ ان کے متعلق جب بھی انسان فکری طور پر ابہام اور گمراہی کا شکار ہوا ہے تو شرک سے نہیں بچ پایا۔ انسانی شخصیت کی سب سے بڑی تخریب کا سبب شرک ہی ہے۔ تمام اقوام اور مذاہب میں ملائکہ کا تصور کسی نہ کسی صورت میں رہا ہے۔ قرآن حکیم نے انسانی شخصیت کو فکری طور پر توحید پرست بنانے کے سلسلہ میں ان آیات کے ذریعہ جامع وضاحت کر دی۔ اس تصور نے شرک کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ رکھی کیوں کہ جن پر خدائی کا گمان کیا جا سکتا تھا وہ سب انسان کی طرح عاجز و درماندہ بندے ثابت ہو گئے۔[2] اس لیے متوازن شخصیت کو پروان چڑھانے کے لیے ایمان بالملائکہ کے درست پہلو سے متصف ہونا ضروری ہے۔

ضعفِ ایمانی اور فکری تذبذب:

انسان چونکہ فکری اور عملی اعمال کا مجموعہ ہے اور انسانی اعمال انسان کی فکر کا عملی مظاہرہ ہوتے ہیں۔ جو افکار انسان کی فکر میں راسخ ہوتے ہیں انسان اپنی عملی زندگی میں اپنے افکار پر ہی عمل پیرا ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر انسان کے افکار درست سمت پر ہوں تو انسان کی عملی زندگی بھی درست سمت پر قائم ہوتی ہے۔ اگر انسان فکری تذبذب کا شکار ہو جس کو ضعفِ ایمانی بھی کہتے ہیں تو انسان کی عملی زندگی بھی تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت کے لیے قرآن حکیم

---

[1] سورۃ الانبیا: 28ء

[2] سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، ص: 33، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، 1960

فکری اصول کے طور پر تقاضا کرتا ہے کہ قرآنی اصولوں کی مطابق تربیت شدہ شخصیت ایمان کے ساتھ ساتھ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھنے والی ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾[1]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے سچے خوف کے ساتھ ڈرو اور صرف مسلمان ہو کر ہی مر جاؤ۔

سورۃ آلِ عمران کی یہ آیت تعمیرِ شخصیت کے لیے دیانتداری اور خشیتِ الہیٰ کے اصول فراہم کرتی ہے۔ ایک مضبوط اور تعمیر شدہ شخصیت خوفِ خدا اور ظاہر و باطن کی یگانگت سے مزین ہوتی ہے۔ زندگی کے جملہ امور میں اللہ پر بھروسہ کرنے والی ہوتی ہے۔ ایمان اور بھروسہ کے تقاضا کے تحت ایسی شخصیت کے لیے اسباب ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس کا تقاضا اہلِ ایمان سے اس آیت میں کیا گیا ہے۔ ایمان اور اللہ پر بھروسہ میں ضعف ہونے کے سبب انسان فکری تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس تذبذب کے سبب مایوسی اور بے سکونی جنم لیتی ہے جو انسان کو فکری یا عملی گمراہی کی طرف دھکیل دیتی ہے۔

یقینِ کامل

یقین کی طاقت وہ طاقت ہے جو انسان کو ناممکنات کو ممکنات میں بدلنے کی قوت دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی انسان سے یقینِ کامل مقصود ہے۔ اللہ اور انسان کے درمیان معرفت اور ایمان کے رشتہ کا تقاضا یہ ہے کہ معبود اور عبد کے درمیان یقین کا احسن درجہ انسانی شخصیت کا خاصا ہو۔ اللہ تعالیٰ یقینِ کامل کے اصول کی بنیاد پر انسانی شخصیت میں وہ کمال ڈالنا چاہتے ہیں جو نیابتِ الہیٰ کا فرض ادا کر سکے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ﴾[2]

ترجمہ: رسول (خدا) اس کتاب پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی۔ سب خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم اس

---

[1] سورۃ البقرۃ:102

[2] سورۃ البقرۃ:285

کے پیغمبروں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور وہ (خدا سے) عرض کرتے ہیں کہ ہم نے (تیرا حکم) سنا اور قبول کیا۔ اے پروردگار ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

معاشرے کے لیے مناسب اور متوازن شخصیت کی تعمیر اور تکمیل کے لیے اس کا یقینِ کامل کی خصوصیت کا حامل ہونا ضروری ہے جیسا کہ اس آیت میں ایسے ایمان کی مثال دی گئی ہے جس میں کسی امتیاز کا گزر نہیں ہے۔ انبیاء اور مومن یقینِ کامل کے درجہِ کمال پر فائز ہوتے ہیں جس کے سبب وہ کہتے ہیں کہ ہم انبیاء پر ایمان لانے کی معاملہ میں فرق کرتے ہیں۔ یہ بات اس فکری انتشار کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کا شکار یہود اور نصاریٰ ہوئے۔ یہود نے حضرتِ عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے میں فرق کیا۔ نصاریٰ نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا انکار کیا۔ ایسی انکاری کیفیت انسانی شخصیت میں عدم اعتماد کے سبب پیدا ہوتی ہے۔ مستحکم شخصیت کی تشکیل کے لیے اس کا فکری طور پر منضبط ہونا ضروری ہے جسے یقینِ کامل کہا جا سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ﴾[1]

ترجمہ: (یہ) کیا (بات ہے کہ) تم کتابِ (خدا) کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کئے دیتے ہو۔

اس آیت میں بھی انسان کی تربیت اس تناظر میں کی گئی ہے کہ انسان کے اندر یقینِ کامل کا پہلو پیدا ہو۔ آیت کے بقیہ حصہ میں ان لوگوں کی فکری گراوٹ کی تکذیب کی گئی ہے جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات پر یقینِ کامل نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور بھروسہ ہو جانے کے بعد یقینِ کامل اس شخصیت کو متوازن بناتا ہے۔ ایمانِ کامل نہ ہونے کے سبب انسان فکری تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔

احساسِ بندگی اور تقویٰ:

انسانی تخلیق میں مادی وجود کے ساتھ ساتھ روحانیت بھی رکھی گئی ہے۔ انسان عقل کا استعمال کرتے ہوئے تجزیاتی طور پر کچھ امور اپناتا ہے۔ اسی کے ساتھ ان امور کے اپنائے جانے میں روحانیت اور احساسات کا دخل بھی ہوتا ہے۔ فکری طور پر کچھ سوالات ہر انسان کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ جب ان کا جواب ایمان و یقینِ حق کی صورت میں حاصل ہو جاتا ہے تو احساسِ بندگی و تقویٰ کا پیدا ہونا ضروری ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾[2]

---

[1] سورۃ البقرۃ:85

[2] سورۃ البقرۃ:21

ترجمہ: لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (اس کے عذاب سے) بچو۔

اس آیت میں تعمیرِ شخصیت کا اصول احساسِ بندگی اور تقویٰ کا حصول دیا گیا ہے۔ یاایھاالناس کا صیغہ عمومی خطاب کے لیے ہے جو ابتداء میں مقصدِ حیات کے حصول کا جواب ہے۔ معرفتِ الہیٰ اور صراطِ مستقیم کی ضمانت احساسِ بندگی و تقویٰ ہے۔ احساسِ بندگی کا تعلق اس رشتۂ خالق و مخلوق سے ہے جس کے سبب ایمان کی صورت میں معرفتِ الہیٰ کا پہلا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ ایمانِ کامل کے سبب عبد و معبود کے درمیان مضبوط تعلق قائم ہوتا ہے اور یہی احساسِ بندگی ہے۔ اگر یہ تعلق کمزور ہو جائے تو اس سے ایمان متاثر ہوتا ہے اور انسان کی شخصیت فکری انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔ احساسِ بندگی نہ ہونے کے سبب ایمان و یقین متاثر ہوتا ہے جو فکری انتشار کا سبب بننے لگ جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّلَامُ فَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمُوهَا أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلَّهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ[1]

ترجمہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز میں یہ پڑھا کرتے تھے: ''جبرائیل اور میکائیل پر سلام ہو۔ فلاں اور فلاں پر سلام ہو۔'' تو رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ تو خود ہی سلام ہے، لہٰذا تم میں سے جب کوئی نماز پڑھے تو کہے: (التَّحِيَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِينَ) ''تمام قولی، بدنی اور مالی عبادات اللہ کے لیے خاص ہیں۔ اے نبی! آپ پر اللہ کی رحمت، سلامتی اور برکتیں ہوں، نیز ہم پر اور اللہ کے (دوسرے) نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو۔۔'' جب تم یہ دعائیہ کلمات کہو گے تو اللہ کے ہر نیک بندے کو پہنچ جائیں گے، خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین میں۔۔ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

انسان کے افکار میں وحدانیت ہونی چاہیے تاکہ وہ فکری انحطاط کا شکار نہ ہو۔ انسان کو فکری وحدانیت ایمان اور توحید پرستی کی راہ پر ڈالتی ہے۔ اس بناء پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک فکری وحدانیت پر قائم شخص کی حیثیت اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ

1 بخاری، صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب التشھد فی الآخرۃ، ج:1، حدیث: 831

عَلَيۡهِمۡ کی سی ہے۔ فکری تخریب شخصی زوال اور گمراہی کا سبب بنتی ہے۔ قرآن حکیم انسان کی فکری وحدانیت کی تشکیل کا اصول یوں بیان کرتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ﴾[1]

ترجمہ: اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور جو (کتاب) محمد ﷺ پر نازل ہوئی اسے مانتے رہے اور وہ ان کے پروردگار کی طرف سے برحق ہے ان سے ان کے گناہ دور کر دیئے اور ان کی حالت سنوار دی۔

یہ آیت اللہ کی طرف سے فکری وحدانیت اور ایمان لانے والوں کے لیے انعام کا اعلان کرتی ہے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے افکار پہلے وحدانیت پر آتے ہیں اور ایمان کے قائل ہوتے ہیں۔ جس کی بدولت انسان دولتِ ایمانی کا مزہ حامل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس فکری وحدانیت نہ ہونے کے سبب انسان کی شخصیت نامکمل رہتی ہے اور انسان فکری رجعت پسندی کا شکار ہو جاتا ہے اور یہیں سے شرک کی ابتدا ہوتی ہے۔

فکری اعتدال اور وحدت:

انسان کئی سوچوں کا مرکز ہوتا ہے۔ افکار اعمال کو تحریک بھی دیتے ہیں اور اعمال پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ فکری اعتدال متوازن شخصیت کی تعمیر میں کردار ادا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾[2]

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے دین میں (بہت سے) رستے نکالے اور کئی کئی فرقے ہو گئے ان سے تم کو کچھ کام نہیں ان کا کام خدا کے حوالے پھر جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں وہ ان کو (سب) بتائے گا۔

قرآن کریم کی آیت انسان کی شخصیت کی تعمیر کے لیے فکری اعتدال اور وحدت کا اصول دیتی ہے۔ اس آیت میں دین میں رستے نکالنے اور فرقوں میں بٹ جانے والوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل وہ آپس میں اختلاف کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ انسان کی شخصیت کی احسن تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ فکری طور پر انسان اعتدال اور وحدت پر قائم رہے۔ اس کے اثرات انسانوں کے اجتماع پر معلوم ہوتے ہیں۔ اسی

---

[1] سورۃ محمد: 2

[2] سورۃ الانعام: 159

طرح تعمیر شخصیت کے لیے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے بھی اعتدال کا درس ملتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

«لَن ينجيَ أَحدًا منكُم عملُه» قالُوا: ولا أَنْتَ يا رسولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «ولاَ أَنَا، إلَّا أَنْ يتغَمَّدَني اللَّهُ برحْمَة، سدِّدوا وقاربوا، واغدُوا وروحوا، وشيءٌ من الدُّلْجة، والقصدَ القصدَ تبلُغُوا»[1]

ترجمہ: ''تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دلا سکے گا۔'' صحابہ نے پوچھا: اللہ کے رسول! آپ کو بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: ''مجھے بھی نہیں الا یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سائے میں لے لے، لہذا تم درستی کے ساتھ عمل جاری رکھو۔ میانہ روی اختیار کرو۔ صبح اور شام، نیز رات کے کچھ حصے میں نکلا کرو۔ اعتدال کے سفر جاری رکھو اس طرح تم منزل مقصود کو پہنچ جاؤ گے۔

اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾[2]

ترجمہ: (مومنو) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کا کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہت اچھا ہوتا ان میں ایمان لانے والے بھی ہیں (لیکن تھوڑے) اور اکثر نافرمان ہیں۔

یہ آیت بھی انسان کی شخصیت کی تعمیر کے لیے افکار میں اعتدال کا اصول دے رہی ہے۔ اعتدالِ اعتقادی متوازن شخصیت کے لیے ضروری ہے کیوں کہ انسان پہلے قائل، گھائل اور پھر مائل ہوتا ہے۔ اس طبیعت کے پیشِ نظر افکار میں اعتدال ضروری ہے تاکہ شخصیت کی تعمیر و تشکیل متوازن صورت میں ہو سکے۔

---

1 بخاری، صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب القصد المدامۃ علی العمل، ج: 7، حدیث: 6463

2 سورۃ آلِ عمران: 110

وسعتِ نظری:

کامل ایمان اور اعمالِ صالح انسان میں وہ استعداد پیدا کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں انسان رجعت پسندی کو ترک کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ انسان کائنات کے رموز و اسرار کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کر لیتا ہے۔ ایسی منور شدہ شخصیت ہٹ دھرمی کی روش کو چھوڑ کر وسعتِ نظری اختیار کر لیتی ہے۔

﴿وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَى لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ﴾[1]

ترجمہ: اور جب تم نے (موسیٰ) سے کہا کہ موسیٰ، جب تک ہم خدا کو سامنے نہ دیکھ لیں گے، تم پر ایمان نہیں لائیں گے، تو تم کو بجلی نے آ گھیرا اور تم دیکھ رہے تھے۔

سورۃ البقرۃ کی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہٹ دھرمی انسانی شخصیت کو منفی انداز میں متاثر کرتی ہے۔ اس مزاج کی اصلاح انسانی شخصیت کی مثبت تعمیر کے لیے ضروری ہے۔ فکری رجعت پسندی وہ عیب ہے جو انسان کی شخصیت کو منفی انداز میں متاثر کرتی ہے اور اکثر اوقات منفعت کے حصول میں حائل ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی شکرانِ نعمت کا عملی درس دیا۔ حدیث پاک میں آپ ﷺ کا ارشاد مبارکہ ہے:

إِنْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَيَقُومُ لِيُصَلِّي حَتَّى تَرِمُ قَدَمَاهُ أَوْ سَاقَاهُ فَيُقَالُ لَهُ فَيَقُولُ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا[2]

ترجمہ: نبی ﷺ نماز (تہجد) میں اتنا قیام فرماتے کہ آپ کے دونوں پاؤں یا دونوں پنڈلیوں پر ورم آ جاتا۔ اور جب آپ سے اس کے متعلق کہا جاتا تو فرماتے: "کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

شکرانِ نعمت:

اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق ہے۔ خالق اور مخلوق کا تعلق معرفت کی بنیاد پر ہے۔ جب انسان اپنے خالق کو جان جاتا ہے تو سب سے پہلے اس کے احکامات کی پیروی شروع کرتا ہے۔ چونکہ انسان کی تربیت اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں اس لیے انھوں نے قرآن میں جو اصول دیئے ان میں ایک شکرانِ نعمت کا اصول بھی ہے۔ جس قدر انسان کو معرفتِ الہیٰ ہوتی جاتی ہے اور خالق و مخلوق کا تعلق بڑھتا جاتا ہے اس قدر یہ اصول فکری طور پر شخصیت کا مضبوط اثاثہ بنتا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں انسان کی تربیت کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

---

1 سورۃ البقرۃ: 55

2 بخاری، صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب قیام النبی ﷺ حتیٰ ترم قدماہ، ج: 2، حدیث: 1130

﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَى كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾[1]

ترجمہ: اور بادل کا تم پر سایہ کئے رکھا اور (تمہارے لیے) من و سلویٰ اتارتے رہے کہ جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں، ان کو کھاؤ (پیو) مگر تمہارے بزرگوں نے ان نعمتوں کی کچھ قدر نہ جانی (اور) وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑتے تھے بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔

اس آیت سے شکرانِ نعمت کا اصول مستنبط ہوتا ہے۔ متوازن شخصیت کی تشکیل میں شکران نعمت کا اصول کارفرما ہوتا ہے کیونکہ بنی اسرائیل قوم بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر شکر بجا نہیں لائی جس کو قرآن کریم نے خود پر ظلم کرنے سے تعبیر کیا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس قوم سے تمام نعمتیں چھین لیں اور وہ قوم فکری تذبذب کا شکار ہو گئی۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[2]

ترجمہ: جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے مینہ برسا کر تمہارے کھانے کے لیے انواع و اقسام کے میوے پیدا کئے۔ پس کسی کو خدا کا ہمسر نہ بناؤ۔ اور تم جانتے تو ہو۔

اس آیت سے تعمیرِ شخصیت کے لیے شکرانِ نعمت کا اصول مستنبط ہوتا ہے۔ یہاں شکرانِ نعمت کے تقاضے کو بجا لانا شرک کے سدِ باب کی صورت میں کیا گیا ہے کیونکہ شکرانِ نعمت دراصل نعمت عطا کرنے والی ذات کو تسلیم کرنے کا نام ہے۔ کفرانِ نعمت سے انسان نعمتوں کے مادی ذرائع پر منحصر ہوتا ہے اور دنیاوی اسباب کو ہی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ سمجھنے لگتا ہے۔ یوں انسان ناشکری میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کے سبب دنیاوی اسباب پر انحصار کر کے مادی طاقتوں کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے۔ یہی دراصل شرک ہے جس کے انسانی شخصیت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

---

1 سورۃ البقرۃ:57

2 سورۃ البقرۃ:22

بندگی اور اصلاحِ نفس:

اللہ تعالیٰ نے انسان میں اطاعت و سرکشی کے دونوں مادے رکھے ہیں۔[1] انسان کو پیدا اپنی اطاعت کے لیے کیا لیکن اس کو علم دے کر خود انتخاب کرنے کی اجازت دی۔ اس کی تخلیق کے ساتھ ہی اس کا دشمن بھی تیار ہو چکا تھا جس نے بغض کی بنیاد پر اس سے دشمنی مول لی۔ ہر دور میں انسانیت سرکشی کی انتہا کو پہنچتی رہی اور اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ اصلاحِ نفس فرما کر اطاعت کی صلاحیت کو غالب کیا۔ اسی طرح قرآنِ حکیم انسانوں کی اصلاح اور اطاعت کے لیے اصول فراہم کرتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى﴾[2]

ترجمہ: بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔

اس آیت سے تزکیہ نفس کا اصول مستنبط ہوتا ہے۔ تزکیہ سے مراد انسانی افکار کو شرک سے پاک کرنا ہے۔ انسان کی شخصیت کو متوازن انداز میں پروان چڑھانے کے لیے اس کے تزکیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اس آیت میں کامیابی کی ضمانت تزکیہ کی صورت میں دی ہے۔ تزکیہ شدہ انسان کی شخصیت سے انجام پانے والے اعمال اس کے تزکیہ نفس کی ترجمانی کر رہے ہوتے ہیں۔ تزکیہ نفس انسان کے اندر سے ان برائیوں کی اصلاح کرتا ہے جو اسے اشرف المخلوقات ہونے کے درجہ سے گرا دیتا ہے۔ انسان کے افکار کی اصلاح فکری تزکیہ کی صورت میں ممکن ہے تاکہ ایسی شخصیت باطل افکار سے پاک ہو سکے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ﴾[3]

ترجمہ: اے اطمینان پانے والی روح!

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ اصولوں پر پروان چڑھنے والی شخصیت اطمینان یافتہ ہوتی ہے۔ اسی آیت سے انسان کے نفس کی پہچان ہوتی ہے کہ نفس کی کیفیت کیسی ہے؟ اس آیت نے اصلاح شدہ نفس کو نفسِ مطمئن قرار دیا۔ لہٰذا انسان کی شخصیت کی بہترین تعمیر کے لیے تزکیہ نفس اصول کے طور پر سامنے آتا ہے۔ انسانی نفس کی اصلاح ہی انسانی

---

1 دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج:1، ص:111، مکتبہ رشیدیہ محلہ جھنگی، پشاور، 2013

2 سورۃ الاعلیٰ:14

3 سورۃ الفجر:27

میں بندگی الٰہی کا حقیقی احساس پیدا کرتی ہے۔آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوانھم اجمعین میں اس احساس کے وجود کے قیام کا باقاعدہ اہتمام کیااور تعلیم فرمائی۔آپ ﷺ کاارشاد مبارک ہے:

خلْف النَّبِي ﷺ قُلْنا السَّلَام علَى جبريل وميكَائيل السَّلَام علَى فُلَان وفُلَان فَالْتفت إِلَينا رسولُ اللَّه ﷺ فَقَالَ إِنَّ اللَّه هو السَّلَام فَإِذَا صلَّى أَحدكُم فَلْيقُل التَّحيَّات للَّه والصَّلَوات والطَّيِّبات السَّلَام عليك أَيُّها النَّبِي ورحمةُ اللَّه وبركَاته السَّلَام علينا وعلَى عباد اللَّه الصَّالحين فَإِنَّكُم إِذَا قُلْتموها أَصابت كُلَّ عبد للَّه صالح في السَّماء والْأَرض أَشهد أَنْ لَا إِلَه إِلَّا اللَّه وأَشهد أَنَّ محمدا عبده ورسولُه[1]

ترجمہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز میں یہ پڑھا کرتے تھے:"جبرائیل اور میکائیل پر سلام ہو۔فلاں اور فلاں پر سلام ہو۔"تو رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:اللہ تعالیٰ تو خود ہی سلام ہے،لہٰذا تم میں سے جب کوئی نماز پڑھے تو کہے: (التَّحِيَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْکَ اَيُّھَا النَّبِيُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِيْنَ) "تمام قولی،بدنی اور مالی عبادات اللہ کے لیے خاص ہیں۔اے نبی! آپ پر اللہ کی رحمت،سلامتی اور برکتیں ہوں،نیز ہم پر اور اللہ کے (دوسرے) نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو۔۔"جب تم یہ دعائیہ کلمات کہو گے تو اللہ کے ہر نیک بندے کو پہنچ جائیں گے،خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین میں۔۔"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی عملی تربیت فرمائی اور بندگی کا احسن طریقہ سکھایا۔یوں تعمیر شخصیت کے فکری پہلو کے ساتھ عملی پہلو آپ ﷺ کے عمل سے واضح ہوتا ہے۔

عجز وانکساری:

عجز وانکساری انسان کی شخصیت کا وہ خاصا ہے جو انسان کو ممتاز بناتا ہے۔جیسے جیسے انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مضبوط ہوتا ہے۔اس کے نتیجہ میں انسان کو اپنی ذات کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے اور اس کے اندر عجز و انکساری بڑھ جاتی ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ۔﴾[2]

ترجمہ:اور (خدا کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔

اس آیت سے عجز وانکساری پیدا کرنے کا اصول حاصل ہوتا ہے۔عاجزی وہ صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس لیے اللہ نے اپنے بندوں کی شخصیت کو محبوب بنانے کے لیے اس خوبی کو شخصیت کی تشکیل کے لیے پسند کیا۔رسول

---

1 بخاری، صحیح بخاری، کتاب صفۃ الصلوٰۃ، باب التشہد فی الآخرۃ، ج:2، حدیث:831

2 سورۃ البقرۃ:43

اللہ ﷺ نے عجز کی اہمیت کو بنی اسرائیل کے ایک واقعہ سے واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں عاجزی اور کمزوری کو پسند کر کے مال غنیمت حلال کیا۔ آپ ﷺ کی حدیث ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: غَزَا نَبِيٌّ مِنَ الأَنْبِيَاءِ، فَقَالَ لِقَوْمِهِ: لاَ يَتْبَعْنِي رَجُلٌ مَلَكَ بُضْعَ امْرَأَةٍ، وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَبْنِيَ بِهَا؟ وَلَمَّا يَبْنِ بِهَا، وَلاَ أَحَدٌ بَنَى بُيُوتًا وَلَمْ يَرْفَعْ سُقُوفَهَا، وَلاَ أَحَدٌ اشْتَرَى غَنَمًا أَوْ خَلِفَاتٍ وَهُوَ يَنْتَظِرُ وِلاَدَهَا، فَغَزَا فَدَنَا مِنَ القَرْيَةِ صَلاَةَ العَصْرِ أَوْ قَرِيبًا مِنْ ذَلِكَ، فَقَالَ لِلشَّمْسِ: إِنَّكِ مَأْمُورَةٌ وَأَنَا مَأْمُورٌ اللَّهُمَّ احْبِسْهَا عَلَيْنَا، فَحُبِسَتْ حَتَّى فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ، فَجَمَعَ الغَنَائِمَ، فَجَاءَتْ يَعْنِي النَّارَ لِتَأْكُلَهَا، فَلَمْ تَطْعَمْهَا فَقَالَ: إِنَّ فِيكُمْ غُلُولًا، فَلْيُبَايِعْنِي مِنْ كُلِّ قَبِيلَةٍ رَجُلٌ، فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلٍ بِيَدِهِ، فَقَالَ: فِيكُمُ الغُلُولُ، فَلْيُبَايِعْنِي قَبِيلَتُكَ، فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلَيْنِ أَوْ ثَلاَثَةٍ بِيَدِهِ، فَقَالَ: فِيكُمُ الغُلُولُ، فَجَاءُوا بِرَأْسٍ مِثْلِ رَأْسِ بَقَرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ، فَوَضَعُوهَا، فَجَاءَتِ النَّارُ، فَأَكَلَتْهَا ثُمَّ أَحَلَّ اللَّهُ لَنَا الغَنَائِمَ رَأَى ضَعْفَنَا، وَعَجْزَنَا فَأَحَلَّهَا لَنَا[1]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "پہلے انبیاءؑ میں سے ایک نبی نے جہاد کیا، تو انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ میرے ساتھ وہ شخص نہ جائے جس نے کسی عورت سے نکاح تو کیا ہو لیکن ابھی تک رخصتی نہ ہوئی ہو جبکہ وہ رخصتی کا خواہاں ہو۔ اور نہ وہ شخص جائے جس نے گھر کی چار دیواری تو کی ہو لیکن ابھی تک چھت نہ ڈالی ہو۔ اور نہ وہ شخص ہی جائے جس نے حاملہ بکریاں اور اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچے جننے کا منتظر ہو۔ (یہ کہہ کر) پھر وہ جہاد کے لیے روانہ ہوئے اور ایک گاؤں کے قریب اس وقت پہنچے کہ عصر کا وقت قریب تھا یا ہو چکا تھا۔ انھوں نے آفتاب سے کہا: تو بھی اللہ کا محکوم ہے اور میں بھی اللہ کا تابع فرمان ہوں، پھر یوں دعا کی: اے اللہ! اسے ہمارے لیے غروب ہونے سے روک دے، چنانچہ اسے روک لیا گیا حتیٰ کہ اللہ نے ان کو فتح سے سرفراز فرمایا۔ پھر انھوں نے مال غنیمت کو اکٹھا کیا اور آگ آئی تا کہ اسے کھائے (بھسم کر دے) لیکن آگ نے اسے نہ کھایا (نہ جلایا) اس (نبیؑ) نے کہا کہ تم میں سے کسی نے خیانت کی ہے، لہٰذا اب ہر قبیلے کا ایک ایک شخص مجھ سے بیعت کرے، چنانچہ ایک شخص کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک گیا تو اس (نبیؑ) نے فرمایا: تیرے قبیلے والوں نے چوری کی ہے۔ اب تمہارے قبیلے کے سب لوگ مجھ سے بیعت کریں۔ پھر دو یا تین آدمیوں کے ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک گئے۔ اس کے بعد نبی نے فرمایا کہ تم نے ہی خیانت کا ارتکاب کیا ہے، چنانچہ وہ سونے کا سر لائے جو گائے کے سر جیسا تھا۔ اس کو انھوں نے رکھا تو آگ نے آکر مال غنیمت

---

1 بخاری، صحیح بخاری، کتاب الخمس، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: أحلت لکم الغنائم: 4، حدیث: 3124

کھالیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مال غنیمت حلال کر دیا۔ اس نے ہماری کمزوری اور عاجزی کو دیکھا اس لیے ہماری خاطر مال غنیمت کو حلال قرار دے دیا۔

یہ فکری اصول انسان کو عیوب سے پاک کرتا ہے اور دیگر انسانوں سے ممتاز بناتا ہے۔ اس لیے جو شخص عجز و انکساری کی دولت سے محروم ہو وہ خود کو قانون کے حوالے نہیں کر سکتا۔ خود کو قانون سے بالاتر سمجھنے کا احساس شخصیت کی فکری تعمیر کے منافی ہے۔

تفکر وتدبر:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو شعور دے کر پیدا کیا۔ عقل و دانش وہ خصوصیت ہے جس کی بدولت انسان تسخیرِ کائنات کے کارنامے دیکھ پاتا ہے۔ غور و فکر کی صلاحیت کسی اور مخلوق میں نہیں رکھی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو استدلال کا ملکہ دیا جس کی بنیاد غور و فکر پر ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل اولاً عقلی طور پر کی جاتی ہے۔ غور و فکر مسائل کو حل کرنے اور نئی دریافتوں کا بنیادی ذریعہ ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾[1]

ترجمہ: جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) خدا کو یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے ہیں) کہ اے پروردگار! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا تو پاک ہے تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائیو۔

قرآن کریم کی اس آیت سے انسان کے غور و فکر کرنے کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ نے انسان کو فطری طور پر غور و فکر کرنے اور سمجھنے کی صلاحیت دی ہے۔ انسان کے علم کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ مشاہدہ و تجربہ ہے جو کہ انسان کے غور و فکر کرنے کی صلاحیت کی دلیل ہے۔ قرآن حکیم کی اس آیت کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان جس قدر غور و فکر کرتا ہے اس قدر ذہن وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ یوں انسان کئی سوالوں کے جواب پا لیتا ہے۔ اسی طرح معرفتِ الٰہی اور صراطِ مستقیم کے حصول میں کارفرما اصولوں میں ایک اصول تفکر وتدبر کا بھی ہے۔ اس لیے یہ خوبی

---

[1] سورۃ آل عمران: 191

شخصیت کی تکمیل کا ضروری عنصر ہے۔اس کے برعکس اگر انسان غور و فکر نہ کرے اور بدلتے ہوئے حالات میں اپنے طور طریقوں کا جائزہ نہ لے محض تقلید پر زندگی گزارتا رہے تو انسان پیش آمدہ حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مشرکینِ مکہ اپنے آباؤاجداد کی تقلید میں اس قدر گر چکے تھے کہ ان کو اپنے ارد گرد معاشرے کے زوال کا اندازہ نہ ہو سکا۔انھوں نے غور و فکر اور اتباعِ رسول ﷺ کے بجائے صرف تقلید پر انحصار کیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾[1]

ترجمہ:اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو(کتاب)خدا نے نازل فرمائی ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں(نہیں) بلکہ ہم تو اسی چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ بھلا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھے رستے پر ہوں(تب بھی وہ انہیں کی تقلید کئے جائیں گے)

اسی طرح تعلیم و تعلم کے معاملہ میں آپ ﷺ کی حدیث ہے جس سے سیکھنے کے عمل کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حدیث مبارکہ ہے کہ:

قال كان رسول الله ﷺ يعلمنا الاستخارة في الأمور كما يعلمنا السورة من القرآن يقول " إذا هم أحدكم بالأمر فليركع ركعتين من غير الفريضة ثم ليقل اللهم إني أستخيرك بعلمك وأستقدرك بقدرتك ، وأسألك من فضلك العظيم ، فإنك تقدر ولا أقدر وتعلم ولا أعلم وأنت علام الغيوب ، اللهم إن كنت تعلم أن هذا الأمر خير لي في ديني ومعاشي وعاقبة أمري . أو قال عاجل أمري وآجله . فاقدره لي ويسره لي ثم بارك لي فيه ، وإن كنت تعلم أن هذا الأمر شر لي في ديني ومعاشي وعاقبة أمري . أو قال في عاجل أمري وآجله . فاصرفه عني واصرفني عنه ، واقدر لي الخير حيث كان ثم أرضني . قال . ويسمي حاجته 2

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے تمام معاملات میں استخارہ کرنے کی اسی طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن کی کوئی سورت سکھلاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ جب کوئی اہم معاملہ تمہارے سامنے ہو تو فرض کے علاوہ دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھے(ترجمہ)”اے میرے اللہ! میں تجھ سے تیرے علم کی بدولت خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کی بدولت تجھ سے طاقت مانگتا ہوں اور تیرے فضل عظیم کا طلبگار ہوں کہ قدرت تو ہی رکھتا ہے اور مجھے کوئی قدرت نہیں۔ علم تجھ ہی کو ہے اور میں کچھ نہیں جانتا اور تو تمام پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔اے میرے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام جس کے لیے استخارہ کیا جا رہا ہے میرے

---

[1] سورۃ البقرۃ:170

2 بخاری، صحیح بخاری، کتاب التہجد، اب ماجاء فی التطوع مثنی مثنی، ج:2، حدیث:1162

دین دنیااور میرے کام کے انجام کے اعتبار سے میرے لیے بہتر ہے یا(آپ نے یہ فرمایا کہ) میرے لیے وقتی طور پر اور انجام کے اعتبار سے یہ (خیر ہے) تو اسے میرے لیے نصیب کر اور اس کا حصول میرے لیے آسان کر اور پھر اس میں مجھے برکت عطا کر اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین، دنیااور میرے کام کے انجام کے اعتبار سے برا ہے۔ یا(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا کہ) میرے معاملہ میں وقتی طور پر اور انجام کے اعتبار سے (برا ہے) تو اسے مجھ سے ہٹادے اور مجھے بھی اس سے ہٹادے۔ پھر میرے لیے خیر مقدر فرما دے، جہاں بھی وہ ہو اور اس سے میرے دل کو مطمئن بھی کر دے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کام کی جگہ اس کام کا نام لے۔

اس آیت و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان کی شخصیت میں غور و فکر کرنے کی صلاحیت کو پروان نہ چڑھایا جائے تو وہ گمراہ ہو جاتا ہے اور اعتقادی طور پر گمراہی کی تقلید شروع کر دیتا ہے۔

علم و معرفت:

علم انسان کی شخصیت کا وہ جز ہے جس کا ثبوت تخلیقِ انسانی کے وقت ملتا ہے۔ علم کا حصول انسان کی وہ ضرورت ہے جو پیدا ہوتے ہی انسان ساتھ لے کر آتا ہے۔ علم معرفتِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اللہ نے انسان کو علم کی بدولت معرفت عطا کی اور یہی اس کی انفرادیت ہے۔ قرآن حکیم کے پہلے پیغام نے حصول علم کی بنیاد ڈالی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾[1]

ترجمہ: اور اس نے آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح کیا کہ اس نے آدم علیہ السلام کو اشیاء کے نام سکھائے۔ ان اشیاء کی صفات، کام اور خصوصیات کا علم دیا۔ اس آیت کی رو سے انسان کی ملائکہ پر فضیلت کا سبب علم ہی ہے۔ اب معاشرے کے لیے متوازن شخصیت کی فراہمی کے لیے اس کی تعمیر میں علم و معرفت کا عنصر ڈالنا ضروری ہے۔ علم کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے قرآن کریم نے جابجا وضاحت کی۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] سورۃ البقرۃ: 31

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾[1]

ترجمہ: (اے محمد ﷺ) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا۔

قرآن حکیم کی اس پہلی وحی نے علم کی بنیاد رکھی۔ علم ہی معرفت کے درجات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف انسان کی تخلیق سے کرایا ہے۔ اسی وصف کی بدولت انسان دنیا میں اللہ کے احکامات کی بجا آوری کرتا ہے اور تسخیرِ کائنات کا فریضہ ادا کرتا ہے۔ علم اشیاء کا ادراک پیدا کرتا ہے۔ انسانی شخصیت علم کے بغیر نامکمل ہے۔ علم و معرفت کے بغیر انسانی شخصیت کی بہتری اور استحکام ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن حکیم میں اللہ نے بار بار ارشاد فرمایا:

﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾[2]

ترجمہ: وہ ہر چیز سے خبردار ہے۔

پس ثابت ہوتا ہے کہ علم و معرفت اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جہالت کے بالمقابل علم و ادراک کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ اس صفت کا انسانی شخصیت کی تشکیل میں شامل ہونا ضروری ہے کیونکہ متوازن انسانی شخصیت میں صفاتِ الٰہیہ کا موجود ہونا متقاضی امر ہے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾[3]

ترجمہ: (بھلا مشرک اچھا ہے) یا وہ جو رات کے وقتوں میں زمین پر پیشانی رکھ کر اور کھڑے ہو کر عبادت کرتا اور آخرت سے ڈرتا اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتا ہے۔ کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ (اور) نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو عقلمند ہیں۔

قرآن کریم کی اس آیت پر غور کیا جائے تو علم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں علم والے اور جاہل کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ متوازن شخصیت کی تشکیل کے لیے علم و معرفت کے اصول کا ہونا ضروری ہے۔

---

[1] سورۃ العلق: 1

[2] سورۃ البقرۃ: 29

[3] سورۃ الزمر: 09

ابدی زندگی کا تصور:

انسان کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں مضمر فکری اصولوں میں سے ایک ابدی زندگی کا تصور اور یقین ہے جو شخصیت میں نکھار پیدا کرتا ہے۔ ابدی زندگی کے تصور کا تعلق قرآن کریم کے دیے گئے فکری اصولوں کے ساتھ ہے۔ ہر شخص کے ذہن میں یہ کچھ سوالات کا پیدا ہونا فطری ہے۔ ان سوالات میں سے ایک سوال ابدی زندگی یا مابعد الموت کے تصور کا خیال ہے۔ ہر دور میں انسانوں نے اس سوال پر غور کیا لیکن فکری طور پر ابدی زندگی کے تصور کے اثبات میں انسان تذبذب کا شکار رہا۔ ابدی زندگی کا تصور اور یقین کیوں ضروری ہے؟ اس کا جواب قرآن حکیم نے بہترین انداز میں دے دیا۔ قرآن حکیم نے ایمان بالآخرۃ کو انسانی شخصیت کے فکری استحکام کا حصہ بنایا۔ اسی لیے ایمان بالآخرۃ اور ابدی زندگی کا یقین ایمانیات کا حصہ ہے۔

حیاتِ اخروی کا اعتقاد جب قرآن کریم نے پیش کیا تو انسان کے تمام فکری اشکالات کو دور کر دیا۔ چناچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَقَالُوا أَإِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ بَلْ هُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ كَافِرُونَ﴾[1]

ترجمہ: اور کہنے لگے کہ جب ہم زمین میں ملیامیٹ ہو جائیں گے تو کیا از سر نو پیدا ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے پروردگار کے سامنے جانے ہی کے قائل نہیں۔

قرآن کریم نے اس آیت میں انسانی فکر کی عکاسی کی ہے کہ انسان کے ذہن میں کس قسم کا شک پیدا ہو رہا ہے؟ اسی طرح قرآن کریم نے اسی فکری ٹیڑھ پن کو ایک اور جگہ یوں بیان کیا:

﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ﴾[2]

ترجمہ: اور ہمارے بارے میں مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا۔ کہنے لگا کہ (جب) ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟

ان آیات سے انسان کی فکری کمزوری کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اس کا جواب قرآن نے جامع انداز میں دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] سورۃ السجدہ: 10

[2] سورۃ یس: 78

﴿اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ﴾[1]

ترجمہ: خدا وہی تو ہے جس نے ستونوں کے بغیر آسمان جیسا کہ تم دیکھتے ہو (اتنے) اونچے بنائے۔ پھر عرش پر جا ٹھہرا اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا۔ ہر ایک میعاد معین تک گردش کر رہا ہے۔ وہی (دنیا کے) کاموں کا انتظام کرتا ہے (اس طرح) وہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم اپنے پروردگار کے روبرو جانے کا یقین کرو۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے انسانی فکر کو اپنی ملاقات کے سلسلے میں منضبط کیا۔ انسان کو مشاہدہ کرنے کی طرف متوجہ کیا گیا کہ وہ سمجھ لے کہ اس وسیع کائنات کا انتظام کرنے والی ذات کے ساتھ اسے ملاقات کرنی ہے۔ قرآن حکیم میں انسان کی فکری تشویش کو دور کرنے کے لیے ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَى فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾[2]

ترجمہ: اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے پھر اُسے دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور یہ اس کو بہت آسان ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں اس کی شان بہت بلند ہے۔ اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ انسان کو کھول کھول کر سمجھا دیا اور باور کروایا کہ ابدی زندگی ہی تمھاری دائمی زندگی ہے۔ یہ دنیا عارضی پناہ گاہ ہے۔ یہیں سے ایمان بالآخرۃ کی ضرورت و اہمیت واضح ہوتی ہے۔ یہاں سے انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ ایمان بالآخرہ اس لیے ضروری ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب محفوظ ہو رہا ہے۔ اسی کی بنیاد پر قبر میں انفرادی انعامات یا سزائیں ہوں گی۔ اس کے بعد حشر کی زندگی میں اسی بنیادوں پر فیصلے ہوں گے۔ اس سے اگلے مرحلہ پر جب انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو گا تو نوعی فیصلے ہوں گے جہاں یہ دیکھا جائے گا کہ دنیا میں انسان بشکلِ انسان حیوان بن گیا تھا یا اس میں انسانی خصلتیں موجود تھیں۔ اب انسان فکری طور پر اس بات کو ماننے اور یقین کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے کہ یہ دنیا لازوال نہیں ہے۔ اس کی انتہا ہے اور عالمِ وجود کی گردشیں بے سبب نہیں ہیں۔ ابدی زندگی کا تصور اور یقین انسانی افکار پر گہرے نقوش چھوڑتا ہے۔ اس تصور کے یقین کے سبب انسانی عقل وسعت اختیار کر لیتی

---

[1] سورۃ الرعد: 2

[2] سورۃ الروم: 27

ہے۔ فکرِ آخرت انسان میں غور و فکر کی صلاحیت بڑھاتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ انسانی فکر میں استحکام پیدا کرتی ہے۔ یوں انسان عالمِ وجود کی گردشوں اور تغیر کا سبب جان لیتا ہے اور اس کے نتیجہ میں انسان کا عملی اور اخلاقی زندگی کے متعلق نقطہِ نظر بدل جاتا ہے۔

اس مبحث کا حاصل کلام یہ ہے کہ انسان کے لیے تعمیرِ شخصیت زندگی کی اہم ترین ترجیح ہے۔اس ترجیح کے حصول کا لائحہ عمل قرآن نے جامع انداز میں دے دیا۔ دنیا میں انسان نے ہمیشہ زندگی کو مقصدِ حیات کے تحت گزارا ہے۔انسان کی شخصیت کی تعمیر کا ایک حصہ فکری ہے۔قرآن کریم انسان کے افکار کی اصلاح کرتے ہوئے انقلاب برپا کرتا ہے۔انسان کی فکری آبیاری کا دارو مدار ایمان ویقین،احکاماتِ الہیٰ کی اتباع اطاعتِ رسول کی صورت میں،ایمان کی آبیاری، مقصدیت، اطاعتِ انبیاء ورسل، تقویٰ، فکری اعتدال، وسعتِ نظری،احساسِ بندگی، عجزوانکساری، تفکر و تدبر، علم و معرفت کی جستجو اور فکری تذبذب سے حفاظت،اصلاح، نفس اور ابدی زندگی پر یقین اور اس کی فکر کے فکری اصولوں پر ہے۔ یہ تمام اصول انسان کو فکری طور پر منظم اور مستحکم بنانے کی بنیاد ہیں۔ یہ فکری اصول محض اصول ہی نہیں بلکہ ان کی اہمیت کا اندازہ انسانی شخصیت پر ان کے اثرات سے واضح ہوتا ہے۔ یہ تمام اصول متوازن شخصیت کی تشکیل کے لیے لازم وملزوم ہیں اور آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ان اصولوں کے ذریعہ تعمیرِ شخصیت جیسا مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لہذٰا عصرِ حاضر کا تقاضا بھی یہی ہے جب انسان مادی ترقی کی منازل طے کر رہا ہے تو تعمیرِ شخصیت جیسے اہم ترین عمل میں رہنمائی کے لیے قرآن کے نادر اصولوں کی طرف رجوع کیا جائے۔قرآن حکیم کا یہ پروگرام جامع ہے اور نامکمل بھی نہیں ہے۔

اس مبحث سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی شخصیت کی تعمیر کا ایک حصہ فکری تنظیم پر مشتمل ہے۔اس فکری تنظیم کا بندوبست قرآن حکیم سے حاصل ہونے والے فکری اصولوں کی ہی محنت کے ذریعہ ممکن ہے۔

اس فصل کا حاصل کلام یہ ہے کہ انسان کی فکری تربیت میں کئی اصول کارفرما ہوتے ہیں۔ان اصولوں کی بنیاد پر متوازن معاشرے کی تشکیل کی جاسکتی ہے۔اسی اساس پر افراد پر محنت کر کے معاشرے کو از سرِ نو متوازن بنیادوں پر تعمیر کیا جاسکتا ہے۔ان اصولوں میں اولین اصول مقصدِ حیات ہے۔انسان کو صراطِ مستقیم کی صورت میں مقصدِ حیات دیا گیا۔ انسان سے انعام یافتہ لوگوں کی جماعت میں شمولیت کی توقع کی گئی ہے۔اس کے ساتھ متوازن شخصیت کی تشکیل کے لیے ایمان بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں ایمان ویقین کی ضرورت ہے وہیں اطاعتِ رسول کا فکری پہلو

تکمیلِ شخصیت کی بنیادوں میں شامل ہے۔اسی طرح ایک مضبوط اور تعمیرِ شدہ شخصیت خوفِ خدااور ظاہر و باطن کی یگانگت سے مزین ہوتی ہے۔یقینِ کامل انسانی شخصیت کی متوازن تعمیر کاوہ اصول ہے جو انسان کو فکری طور پر منضبط کرتا ہے۔انسان کے افکار میں وحدانیت اسے توحید پرستی کی راہ پر ڈالتی ہے۔فکری رجعت پسندی وہ عیب ہے جو انسان کی شخصیت کو منفی انداز میں متاثر کرتا ہے اور اکثر اوقات منفعت کے حصول میں حائل ہو جاتا ہے۔متوازن شخصیت کی تعمیر و تشکیل کے لیے شکرانِ نعمت کے اصول کا کارفرما ہونا بھی ضروری ہے۔انسان کی تعمیر و تشکیل کا مزید قیمتی ترین اصول تزکیہ نفس بھی ہے کیوں کہ تزکیہ شدہ نفس کی مثال نفسِ مطمن کی سی ہے۔انسانی شخصیت کی آبیاری میں عجز وانکساری کااصول بھی کارفرماہوتا ہے۔تفکر وتدبر بھی انسان کی شخصیت کی تعمیر کاوہ نادر اصول ہے جو اسے تجزیہ کرنا سکھاتا ہے۔اسی طرح علم اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جہالت کے بجائے علم وادراک کو زیادہ پسند کرتا ہے۔پس علم معرفت تعمیرِ شخصیت کا ضروری حصہ ہے۔انسان کی شخصیت کی تعمیر میں کارفرما ان اصولوں میں سے ایک اور اصول ایمان بالآخرۃ بھی ہے۔یہ تعمیرِ شخصیت کاوہ اصول ہے جو تقاضا کرتا ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ اس دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب محفوظ ہو رہا ہے۔اسی کی بنیاد پر قبر میں انعامات یا سزاؤں کا تعین ہو گا۔اس کے بعد عالمِ برزخ میں جماعتی بنیادوں پر فیصلے ہوں گے اور پھر جب انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو گا تو نوعی بنیادوں پر فیصلے ہوں گے۔الغرض یہ وہ تمام اصول ہیں جو انسان کی فکری آبیاری اور تعمیر میں کردار ادا کرتے ہیں۔

فصل دوم: انسانی زندگی کے عملی پہلو اور تعمیرِ شخصیت کے قرآنی اصول:

قرآن حکیم وہ معجزہ ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لیے اتارا گیا۔ اس میں وہ اصول موجود ہیں جو انسان کی فکری، عملی اور اخلاقی بڑھوتری کا ذریعہ بنتے ہیں۔ انسان کے عروج و زوال کے اصول اس کتابِ حق میں وارد ہیں۔ زندگی اور معاشروں کی اصلاح اور درست آبیاری کے لیے اس کتاب میں غور و فکر کرنا پڑتا ہے۔ قرآن حکیم کا مخاطب انسان ہے تو اس میں غور کیا جائے تو یہ انسان سے ہم کلام ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ انسانی زندگی پر غور کیا جائے تو انسان کی زندگی کا سب سے غالب پہلو انسانی زندگی کا عملی پہلو ہے اور عملی پہلو فکری پہلو کی مانند ہے۔ زندگی کے عملی پہلو میں بھی یہ کتاب اصولی بنیادوں پر رہنمائی کرتی ہے۔

قرآنِ حکیم سے حاصل ہونے والے عملی اصول جو تعمیرِ شخصیت میں کردار ادا کرتے ہیں اُن کا ذکر درج ذیل ہے۔

عملی زندگی اور صفتِ احسان:

لفظِ احسان کے معنی عمدہ اور خوبصورت ہونے کے ہیں۔ قرآن حکیم میں احسان کے پانچ مفاہیم بیان ہوئے ہیں۔ پہلا اخلاص جس کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں۔ دوسرا کامل توجہ سے عبادت کرنا یعنی کہ درجہِ اعلیٰ کا مقام (میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں) یا درجہِ ادنٰی مقامِ مشاہدہ (اللہ مجھے دیکھ رہا ہے)۔ تیسرا ہر عمل کو احسن انداز میں کرنا، چوتھا حسنِ سلوک احسان مع الخالق کے ساتھ احسان مع الخلق کرنا۔ پانچواں مفہوم نیکی کرنا ہے۔ قرآن مجید میں حسن کا اطلاق اکثر ان چیزوں پر ہوتا ہے جن کا ادراک عقل و بصیرت سے ہوتا ہے نہ کہ جن کا ادراک آنکھوں سے ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ایسی شخصیت جو صفتِ احسان سے متصف ہو اس کے لیے محسنین کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اپنی سیرت و کردار میں حسن و توازن پیدا کرنا اور دوسرے پر انعام کر کے توازن درست کرنا ضروری ہے۔ قرآن حکیم میں صفتِ احسان کا حکم دیا گیا ہے اور کئی جگہ محسنین پر احساناتِ الٰہی کا تذکرہ ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾[1]

ترجمہ: خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور بے حیائی اور نامعقول کاموں سے اور سرکشی سے منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔

قرآن کریم کی یہ آیت انسانی شخصیت کی تعمیر کے جامع اصول فراہم کرتی ہے۔ اس آیت میں تین اوامر اور تین نواہی شامل ہیں۔ ان میں سے امرِ احسان وہ عملی اصول ہے جو کمالِ شخصیت کا نام ہے۔ محسنین اور محسنات کا درجہ انسان کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ اسی طرح عبادت کا اعلیٰ درجہ اور ایمان کی اعلیٰ کیفیت کا نام احسان ہے۔ انسانی شخصیت میں صفتِ احسان کا پروان چڑھنا تقویٰ کا ثمرہ ہے۔[2] رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے بھی صفت احسان انسانی شخصیت کی تعمیر کے اصول کے طور پر سامنے آتی ہے۔ حدیث جبرئیلؑ ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ بارزا يوما للنَّاس، فَأَتَاه جبريل فَقَالَ: ما الإيمَانُ؟ قَالَ: «الإيمَانُ أَنْ تؤْمن بالله وملائكَته، وكُتبه، وبلقائه، ورسله وتؤمن بالْبعْث». قَالَ: ما الإسلام؟ قَالَ: الإسلام: أَنْ تعبد اللهَ، ولا تشْرِكَ به شيئا، وتقيم الصَّلاةَ، وتؤدي الزَّكَاةَ المفروضة، وتصوم رمضان . قَالَ: ما الإحسانُ؟ قَالَ: «أَنْ تعبد الله كَأَنَّك تراه، فإنْ لَمْ تَكُن تراه فإنَّه يراك»، قَالَ: متى السَّاعةَ؟ قَالَ: ما المسئولُ عنْها بأَعلَم من السَّائل، وسأُخبرك عن أَشْراطها: إذا ولَدت الأَمةُ ربَّها، وإذا تطَاولَ رعاةُ الإبل البهم في البنيان، في خمْس لا يعلَمهنَّ إلَّا اللَّهُ ثُمَّ تلاَ النَّبِيُّ ﷺ: ﴿إنَّ اللَّهَ عنْدَه علْم السَّاعَة﴾ [لقمان: 34] الآيةَ، ثُمَّ أَدبر فَقَالَ: «ردُّوه» فلَم يروا شيئا، فَقَالَ: «هذا جبريل جاء يعلِّم النَّاس دينهم» قَالَ أَبو عبد اللَّه: جعل ذلكَ كلَّه من الإيمان[3].

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ لوگوں کے سامنے تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھنے لگا: ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر اور روز حشر اللہ کے حضور پیش

---

[1] سورۃ النحل 90

2 اصلاحی، تدبر قرآن، ج:4، ص:439

3 بخاری، صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب سؤال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام والاحسان وعلم الساعۃ ج: 1، حدیث: 50

ہونے پر، اور اللہ کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور قیامت کا یقین کرو۔'' اس نے مزید سوال کیا: اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اسلام یہ ہے کہ تم محض اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ نماز ٹھیک طور پر ادا کرو اور فرض زکاۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔'' پھر اس نے پوچھا: احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو، تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' اس نے کہا: قیامت کب برپا ہو گی؟ آپ نے فرمایا: ''جس سے سوال کیا گیا ہے وہ بھی سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا، البتہ میں تمہیں قیامت برپا ہونے کی کچھ نشانیاں بتائے دیتا ہوں: جب لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی اور جب اونٹوں کے غیر معروف سیاہ فام چرواہے فلک بوس عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے پر بازی لے جائیں گے (تو قیامت قریب ہو گی)۔ دراصل قیامت ان پانچ باتوں میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔'' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''بے شک اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے۔'' اس کے بعد وہ شخص واپس چلا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے میرے پاس لاؤ۔'' چنانچہ لوگوں نے اسے تلاش کیا لیکن اس کا کوئی سراغ نہ ملا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ جبریل تھے جو لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔'' ابو عبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ نے ان تمام چیزوں کو ایمان قرار دیا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں محسنین کے متعلق ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ﴾[1]

ترجمہ: کچھ شک نہیں کہ جو پرہیز گار ہیں اور جو نیکوکار ہیں خدا ان کا مدد گار ہے۔

انسانی زندگی کا مقصد اور کمال اللہ کے رضا کا حصول ہے۔ یہ آیت محسنین کے مستحقِ معیتِ الٰہی ہونے کا ثبوت دیتی ہے۔ قرآن کریم سے ہمیں مسلمات، مومنات اور محسنات کی صورت میں تین طرح کے انسانی درجات معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں اکمل ترین انسانی درجہ محسنین کا ہے۔ انسانی شخصیت ظلمت کی گہرائیوں کا انکار کر کے مسلمین کے درجہ پر آتی ہے۔ اس کے بعد شخصیت ترقی کی منازل طے کر کے درجہِ احسان تک پہنچتی ہے اور یہی وہ درجہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں وارد ہے:

---

[1] سورۃ النحل 128

﴿وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا﴾[1]

ترجمہ: اور اگر تم خدا اور اس کے پیغمبر اور عاقبت کے گھر (یعنی بہشت) کی طلبگار ہو تو تم میں جو نیکو کاری کرنے والی ہیں اُن کے لئے خدا نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

یہ آیت ثابت کر رہی ہے کہ صفتِ احسان کی حامل عورتوں کی شخصیت بھی ہو سکتی ہے۔ ان عورتوں کے لیے قرآن کریم نے لفظِ محسنات استعمال کیا ہے۔ صفتِ احسان انبیاء کا وصف ہے۔ قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں میں سے احسان کا درس ملتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ﴾[2]

ترجمہ: تو ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم۔

﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾[3]

ترجمہ: تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

قرآن حکیم میں حضرت ابراہیمؑ کے احسان کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کا حکم پاتے ہی اخلاص اور احسان کا مظاہرہ کیا۔ اللہ کی خاطر اپنے بیٹے کو قربان کرنا چاہا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ احسان تھا۔

الغرض پورے کا پورا قرآن کریم صفتِ احسان کے تذکرہ سے مملو ہے۔ صفتِ احسان انسانی شخصیت میں حکمت کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔

جھوٹ کی اصلاح:

انسانی اعمال شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ جھوٹ انسان کی شخصیت کا عیب ہے۔ جھوٹ کا سبب نقصان کا خوف یا منفعت کے حصول کی توقع ہوتی ہے۔ جھوٹ ایسا عیب ہے جو انسان اور رب دونوں کو ناپسند ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

---

[1] سورۃ احزاب 29

[2] سورۃ الصفٰت: 104

[3] سورۃ الصفٰت: 105

﴿فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ﴾[1]

ترجمہ: ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا۔ خدا نے ان کا مرض اور زیادہ کر دیا اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ کے متعلق فرمایا:

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: آيَةُ المُنَافِقِ ثَلاَثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ[2].

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کہے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

جھوٹ انسانی زندگی کا وہ عملی پہلو ہے جس کا سبب ایمان میں ضعف یا ایمان کی قلبی کیفیت کا نہ ہونا ہے۔ انسان کے جسم میں قلب مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور انسانی مزاج کی عکاسی کرتا ہے۔ اس آیت میں جھوٹ انسانی شخصیت کے عیب کے طور پر سامنے آتا ہے۔ جھوٹ پر وعید شخصیت کی تخریب پر دلیل ہے۔ پس جھوٹ کی عادت اور اس کی اصلاح شخصیت کی تعمیر کا ایک اصول ہے۔

اعمال کا محاسبہ اور باز پُرس:

اللہ تعالیٰ جملہ صفات کے توازن اور اعتدال سے متصف ذات ہے۔ جیسی صفات اور ان کے تقاضوں کی متحمل ذات وہ خود ہے ویسی صفات کا مظہر اُسے انسانی شخصیت میں مقصود ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسان کے اندر احساسِ ذمہ داری دیکھنا چاہتے ہیں کیونکہ اس نے انسان کو عظیم مقصد دے کر دنیا میں بھیجا۔ مقصد کی بجاآوری کے لیے انسانی شخصیت کے اندر اپنے اعمال میں محاسبہ اور احساسِ جوابدہی کا ادراک ضروری ہے اور یہ بات مدِ نظر رہے کہ ان اعمال کی جوابدہی بھی ہونی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا:

---

[1] سورۃ البقرۃ: 10

2 بخاری، صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب سؤال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الإیمان والإسلام والإحسان وعلم الساعۃ ج: 1، حدیث: 33

﴿وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ﴾[1]

ترجمہ: اور ہم نے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ(پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا نہیں تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر تعمیر شدہ انسانی شخصیت میں آزاد پسندانہ روش پائی جاتی ہے لیکن اطاعت و فرمانبرداری اور محاسبہ انسانی شخصیت کی اچھی تعمیر کے لیے ضروری ہیں۔ احتساب کا اصول انسانی شخصیت کو ذمہ دار بنانے میں کردار ادا کرتا ہے۔ انسان جب اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے تو اس خلافت کا تقاضا ہے کہ مستخلف کی طرف سے خلیفہ کی حدود اور اس کی آزادی کا دائرہ کار متعین ہو۔[2]

عفوودر گزر:

سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت اور رحیمیت کا ذکر ہے۔ یعنی کہ ربوبیت کا تقاضا ہے کہ مخلوق کے معاملہ میں رحمان اور رحیم ہونے کی صفت غالب آجائے۔ صحتمند معاشرے کی متوازن تشکیل کے لیے شخصیت کا بھی احساس ور حمدلی کے فکری جذبہ کا مالک ہونا ضروری ہے۔[3] قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾[4]

ترجمہ: ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو(اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

اس آیت سے عفوودر گزر کا وصف تعمیرِ شخصیت کے اصول کے طور پر مستنبط ہوتا ہے۔ حدیث پاک سے بھی اس اصول کی اہمیت اور تعمیر شخصیت میں کردار واضح ہوتا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

---

1 سورۃ البقرۃ:35

2 اصلاحی، تدبر قرآن، ج:1، ص:171

3 آزاد، ابوالکلام، ام الکتاب، ص:264

4 سورۃ البقرۃ:38

صعد النَّبيُّ ﷺ الْمنبر وكان آخر مجْلس جلسه متعطِّفًا ملْحفةً على منْكبيه قدْ عصب رأْسه بعصابة دسمة فحمد اللَّه وأَثْنى عليْه ثُمَّ قال أَيُّها النَّاس إليَّ فثابوا إليْه ثُمَّ قال أَمَّا بعْدُ فإنَّ هذا الْحيَّ من الْأَنْصار يقلُّون ويكْثُر النَّاس فمن ولي شيْئًا منْ أُمَّة مُحمَّد ﷺ فاسْتطاع أَنْ يضُرَّ فيه أَحدًا أَوْ ينْفع فيه أَحدًا فلْيقْبلْ منْ مُحْسنهم ويتجاوزْ عنْ مسيّهم[1]

ترجمہ: نبی ﷺ منبر پر تشریف فرہوئے اور یہ آپ کی آخری نشست تھی جس میں آپ شریک ہوئے۔ آپ اپنے شانوں پر بڑی چادر ڈالے ہوئے سر پر چکنی پٹی باندھے ہوئے تھے۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ''لوگو! میرے قریب ہو جاؤ۔'' چنانچہ لوگ آپ کے قریب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا: ''اَمّا بعد! دیگر لوگ تو بڑھتے جائیں گے مگر قبلہ انصار کم ہوتا جائے گا، لہذا امت محمد ﷺ میں سے جو شخص کسی بھی شکل میں حکومت کرے جس کی وجہ سے دوسروں کو نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہو تو اسے چاہیئے کہ انصار کے نیکوکاروں کی نیکی قبول کرے اور خطا کاروں کی لغزشوں سے در گزر کرے۔

متوازن شخصیت اصول پسند ہونے کے ساتھ ساتھ رحم دل ہوتی ہے۔ صالح اعمال متوازن شخصیت کی مثبت تعمیر کا عکس ہوتے ہیں۔ اس لیے قرآن حکیم احساس اور رحم دلی کا اصولِ تعمیرِ شخصیت دیتا ہے جس کا عملی مظہر مخلوق کے ساتھ ہمدردی کی صورت میں عملی طور پر سامنے آتا ہے۔ جس وجہ سے متوازن شخصیت کو پروان چڑھانے کے لیے یہ خوبی ہونا ضروری ہے جبکہ انتقام لینے اور غلبہ پانے کی فکر رکھنے والا شخص اپنے نفس کے آگے جھک رہا ہوتا ہے۔ معاف کر دینے والا شخص اپنے نفس پر غلبہ پا کر اپنے رب کے سامنے جھک رہا ہوتا ہے۔

معاملات میں دیانتداری:

حضرتِ انساں کو کلام کی صلاحیت دی گئی۔ انسان کا کلام کرنا اس کی فکری کیفیت کی عکاسی کر رہا ہوتا ہے لیکن کلام میں انسان اُن اعمال کی بنیاد رکھ رہا ہوتا ہے جو عہد و پیمان کے سبب وہ بجا لانے کا پابند ہو گا۔ اس فکر کی بنیاد پر دیانتداری جیسے فکری اصول کی بنیاد واضح ہوتی ہے۔ دیانتداری بھی صفتِ الہیٰ ہے اسی لیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

1 بخاری، صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، باب من قال فی الخطبۃ بعد الثناء اَمّا بعد ج:2، حدیث:927

﴿يَابَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ﴾[1]

ترجمہ: اے یعقوب کی اولاد! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور اس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا۔ میں اس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔

اس آیت میں اولاد یعقوبؑ کا تذکرہ ہے لیکن دیانت داری اور عہد وپیمان کو بجالانے کا اصول حاصل ہوتا ہے۔ بہترین تعمیر شدہ شخصیت خائن نہیں ہوتی بلکہ دیانت کا پیکر ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک انسان کی رہنمائی کے لیے نمونہ کی سی ہے۔آپ ﷺ کی تعلیمات انسان کی شخصیت سازی کے اصول فراہم کرتی ہیں۔ حدیث میں وارد ہے کہ:

إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِذُهَيْبَةٍ فَقَسَمَهَا بَيْنَ الأَرْبَعَةِ الأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ الحَنْظَلِيِّ، ثُمَّ المُجَاشِعِيِّ، وَعُيَيْنَةَ بْنِ بَدْرٍ الفَزَارِيِّ، وَزَيْدٍ الطَّائِيِّ، ثُمَّ أَحَدِ بَنِي نَبْهَانَ، وَعَلْقَمَةَ بْنِ عُلاَثَةَ العَامِرِيِّ، ثُمَّ أَحَدِ بَنِي كِلاَبٍ، فَغَضِبَتْ قُرَيْشٌ، وَالأَنْصَارُ، قَالُوا: يُعْطِي صَنَادِيدَ أَهْلِ نَجْدٍ وَيَدَعُنَا، قَالَ: «إِنَّمَا أَتَأَلَّفُهُمْ». فَأَقْبَلَ رَجُلٌ غَائِرُ العَيْنَيْنِ، مُشْرِفُ الوَجْنَتَيْنِ، نَاتِئُ الجَبِينِ، كَثُّ اللِّحْيَةِ مَحْلُوقٌ، فَقَالَ: اتَّقِ اللَّهَ يَا مُحَمَّدُ، فَقَالَ: «مَنْ يُطِعِ اللَّهَ إِذَا عَصَيْتُ؟ أَيَأْمَنُنِي اللَّهُ عَلَى أَهْلِ الأَرْضِ فَلاَ تَأْمَنُونِي» فَسَأَلَهُ رَجُلٌ قَتْلَهُ، - أَحْسِبُهُ خَالِدَ بْنَ الوَلِيدِ - فَمَنَعَهُ، فَلَمَّا وَلَّى قَالَ: إِنَّ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا، أَوْ: فِي عَقِبِ هَذَا قَوْمًا يَقْرَءُونَ القُرْآنَ لاَ يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يَقْتُلُونَ أَهْلَ الإِسْلاَمِ وَيَدَعُونَ أَهْلَ الأَوْثَانِ، لَئِنْ أَنَا أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ[2]

ترجمہ: انھوں نے کہا کہ حضرت علیؓ نے نبی ﷺ کی خدمت میں (خام) سونے کا ایک ٹکڑا بھیجا تو آپ نے اسے چار اشخاص میں تقسیم کر دیا: اقرع بن حابس خنظلی مجاشعی، عیینہ بن بدر فرازی، زید بن طائی جو بنو نبہان کا ایک آدمی تھا اور علقمہ بن علاثہ عامری جو بنو کلاب کا ایک فرد تھا۔ اس تقسیم پر قریش اور انصار غصے سے بھر گئے کہ آپ اہل نجد کے سرداروں کو عطیات دیتے ہیں اور ہمیں نظرانداز کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں انھیں تالیف قلوب کے لیے دیتا ہوں۔'' اس دوران میں ایک آدمی سامنے آیا جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی۔ رخسار ابھرے ہوئے، پیشانی اونچی، داڑھی گھنی اور سر منڈا ہوا تھا۔ اس نے کہا: اے محمد ﷺ! اللہ سے ڈریں۔ آپ

[1] سورۃ البقرۃ 40

2 بخاری، صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل: {وأما عاد فأهلكوا بريح صرصر} شديدة حديث: 3344

ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگوں تو اور کون فرمانبرداری کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے تو مجھے اہل زمین پر امین بنایا ہے لیکن تم مجھے امین نہیں سمجھتے۔''ایک شخص نے اسے قتل کرنے کی اجازت مانگی۔ میرے خیال میں وہ خالد بن ولیدؓ تھے۔ آپ نے انھیں روک دیا۔ جب وہ شخص چلا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اس شخص کی نسل یا اس کے نسب سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن کریم تو پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ اگر میں انھیں پالوں تو ضرور انھیں ایسے قتل کروں جیسے قوم عاد نیست و نابود ہوئی ہے۔

یہ حدیث مبارکہ آپ ﷺ کی شخصیت سے معاملات میں دیانتداری اور دینداری کے اصولوں کے اہتمام کو واضح کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے عملی طور پر تعمیر شخصیت کا اہتمام کر کے دکھایا جو کہ بعد میں آنے والوں کے لیے رہنمائی ہے۔

اخلاقی جرات اور پاکیزگی:

اللہ تعالیٰ کی ذات غیرت کا پیکر ہے۔ غیرت کی صفت انسانی شخصیت کو مستحکم کرتی ہے۔ قرآن کریم جس انداز میں انسانی شخصیت کی تعمیر کا اہتمام کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن انسانی شخصیت میں اللہ کی صفات کا عکس پیدا کرنا چاہتا ہے۔ کلامِ الٰہی ہونے کے سبب یہ ثبوت ہے کہ اللہ کو ان اوصاف کی حامل شخصیت مقصود ہے۔ انسانی شخصیت میں اخلاقی جرات ایمان اور غیرت کے سبب ممکن ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[1]

ترجمہ: اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ، اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ۔

یہ آیت انسان کی اس تخریب شدہ حالت کو بیان کر رہی ہے جو شخصیت کے زوال کی انتہا ہوتی ہے۔ اس آیت میں دجل کی ممانعت کی گئی ہے۔ حق و باطل کی آمیزش کے بجائے اخلاقی جرات متوازن شخصیت کا وصف ہے۔ اخلاقی جرات کا کمال تعمیرِ شخصیت کے سبب ہی ممکن ہے۔ یہ وصف اس لیے ضروری ہے کہ انسان سے نیابتِ الٰہی کا کام لیا جانا مقصود ہے۔

انسان کے خمیر میں احساسات رکھے گئے ہیں۔ عقل کے ساتھ ساتھ جذبات انسان کے اعمال پر اثر انداز ہو رہے ہوتے ہیں۔ اچھے اخلاق ہی انسان کو دوسروں کے دل میں جگہ دیتے ہیں۔

---

[1] سورۃ البقرۃ: 46

﴿وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾[1]

ترجمہ: اور اپنے بندوں سے کہہ دو کہ وہ بہترین بات کہیں۔

اس آیت سے اخلاق کی پاکیزگی کا یہ اصول مستنبط ہوتا ہے جو کہ انسان کی شخصیت کی تعمیر کے لیے ضروری ہے اور اخلاق انسان کی تربیت اور تعمیر پر کی گئی محنت کا تعین کرتے ہیں۔

اطاعتِ الٰہی:

قرآن حکیم سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، ملکیت اور الوہیت کی صفات کا ادراک ہوتا ہے۔ انسانی عقل ان صفات کے اہتمام اور کائنات کے وسیع نظام میں ان صفات کے جوہر دیکھ کر ان صفات کی قائل ہو جاتی ہے۔ اس کے سبب انسان فکری طور پر اللہ کی ذات کی طرف مائل ہوتا ہے اور اطاعتِ الٰہی کے لیے سر اطاعت خم کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ یہ خصلت متوازن شخصیت کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کیونکہ اطاعت الٰہی فرائض خلافت سرانجام دینے کے قابل شخصیت کی تشکیل کرتی ہے۔ اطاعتِ الٰہی کے اصول کے تحت متوازن شخصیت کی تعمیر و تشکیل کے لیے قرآن حکیم میں وارد ہے:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾[2]

ترجمہ: اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (خدا کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔

یہ آیت بظاہر آیتِ احکام ہے لیکن اس میں تعمیرِ شخصیت کے نمایاں اصول پنہاں ہیں۔ اس آیت میں اطاعت بذریعہ عملی عبادت اور مالی اطاعت بذریعہ سخاوت کا حکم ہے۔ اس کے ساتھ نماز میں جھک کر عاجزی پیدا کرنے کے اہتمام کا حکم دیا گیا ہے۔ عجز و انکساری اور اطاعت و فرمانبرداری اس آیت کے وہ نمایاں اصول ہیں جو تعمیرِ شخصیت میں معاون ہیں اور متوازن شخصیت کا لازمی جزو ہیں۔

---

[1] سورۃ الاسرا: 53

[2] سورۃ البقرۃ: 43

صبر واستقامت:

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو دار الاسباب بنایا۔ انسان کے لیے دنیا میں نشیب وفراز پیدا کیے۔ ان حالات کی تخلیق کا مقصد انسان کی آزمائش اور شخصیت کی تعمیر اور بہتری ہے۔ عظیم مقصد کی ادائیگی کے لیے انسان کی تربیت کا اہتمام کیا اور قرآن کے ذریعہ اپنے احکامات بطورِ رہنمائی اتارے۔ انسانی شخصیت کی اکمل تشکیل کے لیے صبر کا وصف انتہائی ضروری ہے۔ صبر ایمان کا حصہ ہے۔ صبر سے مراد اپنے ایمان کے مطابق عمل کرنا اور مشکلات آنے پر ثابت قدم رہنا۔ یہ اصول انسان کے لیے مقصد کے حصول میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ﴾[1]

ترجمہ: اور (رنج وتکلیف میں) صبر اور نماز سے مدد لیا کرو اور بے شک نماز گراں ہے، مگر ان لوگوں پر (گراں نہیں) جو عجز کرنے والے ہیں۔

یہ آیت پہلے بیان کردہ اصولوں کے ساتھ صبر بطورِ اصول فراہم کرتی ہے۔ یعنی اطاعت اور عجز کے ساتھ صبر اکمل شخصیت کی تشکیل کا ذریعہ ہے۔ یوں عجز، اطاعت اور صبر کی بنیاد پر متوازن شخصیت کی تکمیل ممکن ہو سکتی ہے۔ یہ قرآنی اصول وہ کردار ادا کر سکتے ہیں جو کسی اور آلہ کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔ چونکہ صبر قلبی اور فکری وصف ہے جو رنج و تکلیف کے وقت کام آتا ہے اور عمل کو بصورتِ ضبط تحریک دیتا ہے۔

زندگی میں مشکلات آنا فطری عمل ہے لیکن قرآن ہمیں صبر اور استقامت کا درس دیتا ہے۔ صبر ہی انسان کو مشکلات سے نکلنے کا راستہ دکھاتا ہے اور شخصیت میں استحکام پیدا کرتا ہے اور جسمانی ریاضت جو تقرب سالہا سال تک حاصل نہیں ہو پاتا وہ تقرب انسان کو نماز جیسے روحانی عمل سے فی الفور حاصل ہو جاتا ہے۔[2]

﴿فَاصْبِرْ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾[3]

ترجمہ: پس تو صبر کر، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

---

[1] سورۃ البقرۃ: 45

2 حقانی، عبد الحق، تفسیر فتح المنان، ج:1، ص:169، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، 2009ء

[3] سورۃ الانفال: 46

یہ آیت استحکامِ شخصیت کا نادر اصول دیتی ہے جو کہ معاشرے میں تخریب کے سدِ باب کے طور پر کردار ادا کرنے کا وصف پیدا کرتی ہے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ بَلَاغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ﴾[1]

ترجمہ: پس (اے محمد ﷺ) جس طرح عالی ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں اسی طرح تم بھی صبر کرو اور ان کے لئے (عذاب) جلدی نہ مانگو۔ جس دن یہ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو (خیال کریں گے کہ) گویا (دنیا میں) رہے ہی نہ تھے مگر گھڑی بھر دن۔ (یہ قرآن) پیغام ہے۔ سو (اب) وہی ہلاک ہوں گے جو نافرمان تھے۔

صبر واستقامت انبیاء کی شخصیت کا خاصا ہے۔ اس لیے قرآن کی اس آیت سے ہر دور کے انسان کی شخصیت کی احسن تعمیر و تشکیل کا یہ اصول حاصل ہوتا ہے۔

تحمل اور بردباری:

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مبارکہ رحمان اور رحیم ہونے کی صفت سے متصف ہے۔ لہذا معاشرے میں امن و استحکام کے لیے انسانی شخصیت کا تحمل اور بردباری کی صفتِ الہیہ سے آراستہ ہونا ضروری ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾[2]

ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو، تم نے بچھڑے کو (معبود) ٹھہرانے میں (بڑا) ظلم کیا ہے، تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنے تئیں ہلاک کر ڈالو۔ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ پھر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا۔ وہ بے شک معاف کرنے والا (اور) صاحبِ رحم ہے۔

[1] سورۃ الاحقاف: 36

[2] سورۃ البقرۃ: 54

اس آیت میں توبہ ورجوع الی اللہ، مجاہدہ اور عفوودرگزر کے اصول موجود ہیں جو متوازن شخصیت کی تشکیل کے لیے لازم ہیں۔ توبہ ورجوع الی اللہ انسانی شخصیت میں تحمل پیدا کرتے ہیں۔ گناہوں سے آلودہ ہونے کے بعد مایوس ہونے کے بجائے رجوع الی اللہ متوازن شخصیت کے تحمل پر مبنی ارتقاء کا مظہر ہے۔

بردباری انسان کی شخصیت کا حسن ہے۔ قرآن حکیم نے معافی اور بردباری اختیار کرنے کا بھی حکم دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾[1]

ترجمہ: اور جو لوگ تم میں صاحب فضل (اور صاحب) وسعت ہیں، وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور وطن چھوڑ جانے والوں کو کچھ خرچ پات نہیں دیں گے۔ ان کو چاہیئے کہ معاف کردیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ خدا تم کو بخش دے؟ اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ رب العزت نے کائنات کا نظام انتہائی مربوط اصولوں پر تشکیل دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کی شخصیت کو ان اصولوں پر پروان چڑھتا دیکھنا چاہتے ہیں جو انھوں نے پسند فرمائے اور انسانیت کو قرآن حکیم کی صورت میں عطا کیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ ربوبیت میں سے ایک حصہ لوگوں کو عطا کر کے انھیں صاحبِ فضل بنایا۔ ان لوگوں کی تربیت کے پیشِ نظر ساتھ ہی شخصیت کی تعمیر کا اہتمام فرمایا اور عفوودرگزر اختیار کرنے کے اصول کی بنیاد رکھی۔ عفوودرگزر معاشرے میں امن اور محبت و یگانگت کی ضمانت ہے۔

دفعِ مضرت:

انسان اللہ کی محبوب ترین تخلیق ہے۔ اللہ کو اس کی سلامتی بھی عزیز ہے۔ انسان جب بھی راہِ حق سے پھرتے رہے اللہ نے ان کی رہنمائی اور تعمیر کا اہتمام فرمایا۔ انسانوں کی طرف جتنی بھی شریعتیں بھیجی گئیں ان کی بنیاد انسانیت تھی۔ انسانیت سے مراد افراد اور معاشروں میں سے فکری، عملی اور اخلاقی اعتبار سے نقصان دہ چیزوں کا سدِ باب ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

---

[1] سورة النور: 22

﴿وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ﴾[1]

ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے (خدا سے) پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔ (انہوں نے لاٹھی ماری) تو پھر اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، اور تمام لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر (کے پانی پی) لیا۔ (ہم نے حکم دیا کہ) خدا کی (عطا فرمائی ہوئی) روزی کھاؤ اور پیو، مگر زمین میں فساد نہ کرتے پھرنا۔

یہاں فساد سے منع کیا جانا تعمیرِ شخصیت میں معاون ثابت ہونے والا اصول ہے جو معاشرے میں مثبت کاموں کی بنیاد رکھنے میں کارفرما ہوتا ہے۔ اس آیت سے فساد کے سدِ باب فساد کا اصول حاصل ہوتا ہے۔ یہی وہ اصول ہے جو مومنین کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل کا پابند بناتا ہے۔

نصیحت قبول کرنا:

انسانی اعمال افکار کی نمائندگی کرتے ہیں۔ فکری طور پر متوازن شخصیت وسعتِ نظری سے مالا مال ہوتی ہے۔ اس وصف کے پیشِ نظر اچھی شخصیت نصیحت قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور فکری جمود سے پاک ہوتی ہے۔ نصیحت کا قبول کرنا متوازن شخصیت کو عمل کی توفیق دیتا ہے۔

﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ﴾[2]

ترجمہ: اور تم ان لوگوں کو خوب جانتے ہوں، جو تم میں سے ہفتے کے دن (مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے، تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل و خوار بندر ہو جاؤ۔

﴿فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ﴾[3]

ترجمہ: اور اس قصے کو اس وقت کے لوگوں کے لیے اور جو ان کے بعد آنے والے تھے عبرت اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت بنا دیا۔

---

[1] سورۃ البقرۃ:60

[2] سورۃ البقرۃ:65

[3] سورۃ البقرۃ:22

ان دو آیات میں سابقہ قوم کے رویہ کو بیان کر کے انسانی شخصیت کے مزاج کی تشکیل کے لیے رہنمائی کی گئی۔ یہ آیت تعمیرِ شخصیت کے لیے نصیحت قبول کرنے کا اصول فراہم کرتی ہے۔ ہٹ دھرمی کے عیب کو چھوڑ کر نصیحت قبول کرنے کا معیار پیدا کرنا تعمیرِ شخصیت کا بہترین مرحلہ ہے۔

اصلاحِ نفاق:

قرآن کریم انسان کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل کے لیے جامع لائحہ عمل فراہم کرتا ہے۔ یہ لائحہ عمل ہمیشہ فطری قوانین کے مطابق ہوتا ہے۔ انسان کے مادہِ تخلیق میں نفس کا پہلو بھی رکھا گیا ہے۔ نفس کی مثبت آبیاری نہ کی جائے تو وہ ان روحانی بیماریوں کو جنم دیتا ہے جو انسانی شخصیت کو درجہِ کمال سے محروم کر دیتی ہیں۔ اسی طرح نفاق ایک نفسانی یا روحانی بیماری ہے۔ نفاق انسان کو ایمان کے منافی لے جاتا ہے۔ نفاق سے مراد اپنے افکار کی بنیاد پر پروان چڑھنے والے ایمان کے خلاف اعمال کا سرانجام دینا ہے۔ قرآن کریم سے اس عیب کے خلاف تعمیر کا اصول اس آیت سے ملتا ہے:

﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾[1]

اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اور جب آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں، جو بات خدا نے تم پر ظاہر فرمائی ہے، وہ تم ان کو اس لیے بتائے دیتے ہو کہ (قیامت کے دن) اسی کے حوالے سے تمہارے پروردگار کے سامنے تم کو الزام دیں۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟

یہ آیت تعمیرِ شخصیت کے تین نادر اصول دیتی ہے۔ اس آیت میں نفاق کا سدِ باب، حق کو چھپانے کی اصلاح اور غور و فکر کے اصول پنہاں ہیں جو اعلیٰ شخصیت کی تشکیل میں کردار ادا کرتے ہیں۔ نفاق انسانی شخصیت کا وہ عیب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بھی ناپسند کیا ہے۔ قرآنِ کریم نے بھی نفاق اور منافقین کی شدید مذمت کی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ سے بھی نفاق کی ممانعت کا اصول ملتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

[1] سورۃ البقرۃ: 76

عَن النَّبِيِ ﷺ قَالَ آيَةُ الْإِيمَان حُبُّ الْأَنْصَارِ وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ[1]

ترجمہ: ''ایمان کی نشانی انصار سے محبت کرنا اور منافقت کی نشانی ان سے بغض رکھنا ہے''۔

﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَى عَذَابٍ عَظِيمٍ﴾[2]

اور تمہارے گردونواح کے بعض دیہاتی منافق ہیں اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں تم انہیں نہیں جانتے۔ ہم جانتے ہیں۔ ہم ان کو دوہرا عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے.

اس آیت میں منافقین کے بارے میں یہ وعید اس اصول کی بنیاد پر دلالت کرتی ہے کہ انسانی شخصیت کو نفاق کے عیب سے پاک ہونا چاہئے۔ نفاق انسان کی شخصیت کا بدترین عیب ہے۔

لالچ اور خیانت سے اجتناب:

قرآن حکیم انسان کی شخصیت کی جامع تشکیل کرتا ہے۔ سورۃ الناس میں آیت مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ[3] وہ جنّات میں سے (ہو) یا انسانوں میں سے۔ کے تحت مانگی گئی پناہ سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی افکار پر اثرانداز ہونے والی طاقتوں میں دو طرح کی طاقتیں ہیں جن میں نظر آنے والی اور نظر نہ آنے والی طاقتیں شامل ہیں۔ یہ دونوں طاقتیں انسانی شخصیت میں فکری انتشار کا سبب بن سکتی ہیں۔ انسانی خیانت کو بیان کرتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ﴾[4]

ترجمہ: تو ان لوگوں پر افسوس ہے جو اپنے ہاتھ سے تو کتاب لکھتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے (آئی) ہے، تاکہ اس کے عوض تھوڑی سے قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کریں۔ ان پر افسوس ہے، اس لیے کہ (بے اصل باتیں) اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور (پھر) ان پر افسوس ہے، اس لیے کہ ایسے کام کرتے ہیں۔

---

1 بخاری، صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب حب الانصار ج:8، حدیث:3784

2 سورۃ التوبہ:101

3 سورۃ الناس:6

4 سورۃ البقرۃ:79

یہ آیت کلام اللہ میں تحریفات کا ذکر کرتے ہوئے انسانی رویہ کو بیان کر رہی ہے کہ وہ لوگ خود سے لکھے ہوئے کو اللہ کی طرف منسوب کرتے اور مقصد دنیاوی فائدہ کا حصول ہوتا تھا۔ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کی انسان منفعت کے حصول یا نقصان کے سدِ باب کے لیے نا مناسب اقدام کرتا ہے جو کہ تخریب شدہ شخصیت کی نشانی ہے۔ اس آیت سے دو اصول حاصل ہوتے ہیں جو تعمیرِ شخصیت کے لیے اہمیت کے حامل ہیں۔ پہلا حبِ مال اور لالچ ہے جس کی خاطر یہود خود سے لکھی چیزوں کو اللہ کی طرف منسوب کرتے۔ دوسرا اصول علمی خیانت سے اجتناب کی صورت میں حاصل ہوتا ہے جو شخصیت کی متوازن پرورش میں کار گر ثابت ہوتا ہے کیوں کہ آیت کے آخری حصہ میں لالچ اور علمی خیانت کرنے والے کے لیے افسوس کیا گیا ہے جو کہ نقصان اور غیر منافع بخش سودا کی دلیل ہے۔ یوں ہی خیانت کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَنْ صَلَّى صَلاَتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَذَلِكَ المُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ، فَلاَ تُخْفِرُوا اللَّهَ فِي ذِمَّتِهِ[1]

ترجمہ: ''جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے اور ہمارے قبلے کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلمان ہے جسے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ حاصل ہے، لہذا تم اللہ کے ذمے میں خیانت (بدعہدی) نہ کرو۔

عملی زندگی اور تزکیہ نفس:

قرآن کریم میں **ویز کیھم** کا لفظ آیا ہے۔ جس کے معنی پاک کرنے کے ہیں۔ تعمیرِ شخصیت کے لیے تزکیہ نفس یا تزکیہ انسانی لازمی ہے۔ تزکیہ سے مراد ہے کہ جو بات کہی جائے سوچ سمجھ کر پوری ذمہ داری کے ساتھ کہی جائے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ﴾[2]

---

1 بخاری، صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب فضل استقبال القبلۃ، ج:2، حدیث:391

2 سورۃ البقرۃ 87

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی اور ان کے پیچھے یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتے رہے اور عیسیٰ بن مریم کو کھلے نشانات بخشے اور روح القدس (یعنی جبرئیل) سے ان کو مدد دی۔ تو جب کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے، جن کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا، تو تم سرکش ہو جاتے رہے، اور ایک گروہ (انبیاء) کو تو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔

یہ آیتِ روحانی پہلوِ شخصیت کی تعمیر کے اصول فراہم کرتی ہے۔ تزکیہ نفس، تکبر اور ظلم یہ پہلو اس آیت سے حاصل ہوتے ہیں۔ تزکیہ نفس انسان کی بڑھوتری اور معرفتِ الہٰی میں کردار ادا کرنے کا پہلا مرحلہ ہے۔ تعمیرِ شخصیت کا یہ اصول انتہائی اہم ہے۔ اللہ کی معرفت کے حصول میں رکاوٹ بننے والے عوامل میں نفس کی سرکشی شامل ہے اس لیے نفس کی اصلاح اللہ کی رضا کے حصول کے لیے ضروری ہے۔ نفس کی شرکشی تکبر اور ظلم جیسی بیماریوں کے سبب ہوتی ہے۔ تکبر اور ظلم روحانی بیماریاں ہیں۔ اس آیت میں بھی انسانوں کا خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے تکبر اور ظلم کرنے کا ذکر ہے۔ پس تزکیہ نفس من جملہ اس آیت کا وہ اصول ہے جو تعمیرِ شخصیت کا لازمی جزو ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾[1]

ترجمہ: کہہ دو کہ اگر آخرت کا گھر اور لوگوں (یعنی مسلمانوں) کے لیے نہیں اور خدا کے نزدیک تمہارے ہی لیے مخصوص ہے تو اگر سچے ہو تو موت کی آرزو تو کرو۔

انسان کی نفسانی اصلاح ہی تعمیرِ شخصیت ہے۔ قرآن حکیم اس آیت میں بھی انسان کو ایک روحانی عیب کی طرف توجہ دلا رہا ہے۔ اس آیت سے حرص و طمع بطورِ اصول مستنبط ہوتا ہے جس کی اصلاح کا اہتمام کر کے شخصیت کی متوازن تعمیر و تشکیل کی جاسکتی ہے۔

[1] سورۃ البقرۃ 94

نیکی اور بھلائی:

قرآن میں نیکی کرنے اور بھلائی پھیلانے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ نیکی ہی انسان کو پاکیزہ دل اور روح کا مالک بناتی ہے۔

﴿وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾[1]

ترجمہ: اور اپنے بندوں سے کہہ دو کہ وہ بہترین بات کہیں۔

پاکیزہ دل و روح اعلیٰ افکار و اعمال اور اخلاق کی تشکیل میں کردار ادا کرتے ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیت انسانوں کی شخصیت کی تعمیر کے لیے وہ اصول دے رہی ہے جو افراد کی کردار سازی میں براہ راست کردار ادا کرتے ہوئے معاشرے کو مثبت اثرات سے مسخر کرنے کی بنیاد ہے۔

علم کی طلب:

علم انسان کا اعزاز ہے۔ تخلیق آدمؑ سے ہی علم انسان کی میراث رہی ہے۔ علم ہی انسان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ علم کی طلب تعمیرِ شخصیت کا وہ اصول ہے جو انسان کی ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾[2]

ترجمہ: کیا جو لوگ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے، کیا وہ برابر ہیں؟

علم کی طلب و جستجو وہ اصولِ ہے جو انسان کی ہر دور میں پرواز کا سبب بنا ہے۔ علم کی طلب بہتری کی بنیاد ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی نائبِ خاص کو اس دولت سے مالا مال کیا۔ تسخیرِ کائنات کے فرض کی ادائیگی کے لیے یہ جوہر انسان کو عطا کیا گیا۔ یہ اصولِ طلب و فکر انسان کی شخصیت میں نکھار پیدا کرتا ہے۔

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل:53

[2] سورۃ الزمر:9

عملی زندگی میں جدوجہد اور اخلاص:

جہاد اسلام کا خاص حکم ہے۔ جہاد کے معنی کوشش کے ہیں۔ جہاد کا مطلب صرف جنگ نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کرنا بھی ہے۔

﴿فَلۡيَنظُرۡ هَلۡ يُذۡهِبَنَّ كَيۡدُهُۥ مَا يَغِيظُ﴾[1]

ترجمہ: پھر دیکھے کہ آیا یہ تدبیر اس کے غصے کو دور کر دیتی ہے۔

یہ آیت مشکلات القرآن میں سے ہے اور مختلف مفسرین نے اپنے اپنے انداز میں اس کی تعبیر کی ہے۔ میرے نزدیک ''موضح القرآن'' میں شاہ عبدالقادر دہلوی کی تعبیر سب سے بہتر ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ ایک ایسا شخص جو پورے اخلاص کے ساتھ ہمہ وقت دین کی خدمت میں مصروف ہے اور اس رستے میں آنے والی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے اللہ سے مسلسل امید رکھتا ہے کہ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں اللہ کی مدد ضرور آئے گی۔ لیکن خدانخواستہ کسی مرحلے پر اگر وہ اللہ کی مدد سے مایوس ہو جائے تو اس کی یہ کیفیت اس کے لیے ناکامی کا باعث بن جائے گی۔

اس آیت سے نفس کی اصلاح کا یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ پہلے درجہ پر ایمان لانے والا شخص قرآن حکیم کو صحیح مانتا ہے۔ قرآن پر ایمان لانے کا مطلب ہے کہ وہ اس کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کا عزم بالجزم کر لیتا ہے۔ اس کے بعد مجمل ایمان مفصل ہو جاتا ہے جس کا تقاضا ہے کہ قرآن کے اصولوں کے مطابق تشکیل پانے والی شخصیت قرآن کے اصولوں پر عمل کرنے کا عزمِ مصمم کر چکی ہے۔ قرآن حکیم انسانی شخصیت کو اس انداز میں پروان چڑھانا چاہتا ہے کہ اس کے اندر جہدِ مسلسل پیدا ہو۔ دنیا دارالاسباب ہے اس میں انسان کو زندگی گزارنے کے لیے کوشش کرنی پڑتی ہے لیکن قرآن شخصیت میں وہ کمال چاہتا ہے کہ انسان جدوجہد سے متنفر نہ ہو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى ٱللَّهِ﴾[2]

ترجمہ: پھر جب تو اس کام کا ارادہ کر چکا تو اللہ پر بھروسہ کر۔

متوازن شخصیت کا تقاعملی جدوجہد میں انسان ہمت نہ ہار بیٹھے۔ جدوجہد کے ساتھ متوازن شخصیت میں اخلاص کا پہلو نمایاں ہو۔ اخلاص پر مبنی جدوجہد ثمر آور ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جدوجہد سے عاری شخصیت عملی اعتبار سے تنزلی کا

1 سورۃ الحج: 15

2 سورۃ آل عمران: 159

شکار ہو جاتی ہے۔ انسانی شخصیت میں محنت، لگن اور جستجو کا قرینہ اسے عظیم مقصدِ حیات کے حصول کے قابل بناتی ہے۔ قرآن کا جدوجہد اور اخلاص کا اصول شخصیت کو قرآنی انقلاب لانے کے قابل بناتا ہے۔

انسانیت کی خدمت:

قرآن میں انسانیت کی خدمت کو بہت اہم قرار دیا گیا ہے۔ انسانیت کی خدمت ہی انسان کو حقیقی کامیابی کی طرف لے جاتی ہے۔ اللہ تعالی کو اپنی مخلوق محبوب ترین ہے اسی لیے اللہ نے اپنے پسندیدہ بندوں کے لیے صفتِ خدمتِ خلق کو پسند کیا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[1]

ترجمہ: اور نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

تمام انسان آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ انسان کی تخلیق میں جذبہ ہمدردی روزِ اول ہی سے رکھ دیا گیا تھا جس کی بناء پر انسان دوسرے انسانوں کی خدمت اور مدد کا جذبہ فطری طور پر رکھتا ہے۔ قرآنِ حکیم کی یہ آیت اس جذبہ ہمدردی کی عملی تشکیل کا اصول فراہم کرتی ہے۔ اس آیت سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ انسانیت کی خدمت نیکی کے کام کے تناظر میں کرنا اور برائی میں کنارہ کشی اختیار کرنا متوازن شخصیت کا وصف ہے۔

جذبہ ایثار:

انسان کے اندر جذبہِ قربانی فطری طور پر رکھا گیا ہے۔ متوازن شخصیت کی نشو نما ان افکار اور اصولوں کی بنیاد پر ہوتی ہے جو انسان کی عملی زندگی میں اعمالِ صالحہ کو پروان چڑھاتے ہیں۔ افکار کی بنیاد پر ایمان کی تشکیل اور اعمال کی سر انجام دہی میں جذبہِ قربانی ایسا عملی اصولِ تعمیرِ شخصیت ہے جس کے بغیر مقصدِ حیات کا حصول نامکمل رہ جاتا ہے۔ انسان چونکہ اجتماعیت پسند ہے اس لیے اس کی زندگی کے اکثر امور کی انجام دہی اجتماعیت پر مبنی ہے۔ جذبہِ ایثار اجتماعیت کا ضروری تقاضا ہے اور زندگی کا عملی پہلو ہے۔ قرآن کریم انسان کی شخصیت کی تعمیر کا اہتمام کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾[2]

---

[1] سورۃ المائدہ: 2

[2] سورۃ التوبہ 103

ترجمہ: ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کرلو کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو کہ تمہاری دعا ان کے لیے موجب تسکین ہے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یہ آیت مالی قربانی اور دل سے حبِ مال کو نکالنے کا اصول دیتی ہے۔ متوازن شخصیت کے لیے مال و دولت ضرورت ہوتے ہیں نہ کہ وہ گن گن کر جمع کرنے والی ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ﴾[1]

جو مال جمع کرتا اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے۔

﴿يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ﴾[2]

(اور) خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کی ہمیشہ کی زندگی کا موجب ہوگا۔

مال و دولت محض اسبابِ دنیا ہوتے ہیں جن کو استعمال کیا جاتا ہے۔ متوازن شخصیت جذبہ ایثار سے متصف ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے انسانی رویہ کو بیان کیا ہے کہ انسان لالچ رکھتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کو انسان کی متوازن شخصیت کے طور پر پسند نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع:

اتباع متوازن شخصیت کا خاصا ہے۔ تعمیر یافتہ شخصیت جہاں قائدانہ صلاحیتوں کی حامل ہوتی ہے وہیں ایک اچھی تابع بھی ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت اور اسوہ ہمارے لیے نمونہ ہے۔ قرآن حکیم قیادت اور اتباع کے معاملہ میں بھی اصول فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾[3]

ترجمہ: تم کو پیغمبر خدا کی پیروی (کرنی) بہتر ہے (یعنی) اس شخص کو جسے خدا (سے ملنے) اور روز قیامت (کے آنے) کی اُمید ہو اور وہ خدا کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔

اس آیت میں اتباعِ رسول ﷺ کا حکم دیا گیا لیکن محض آپ ﷺ کی اتباع نہیں بلکہ اتباع بطورِ شخصیت کی خوبی جو انسانی شخصیت کی تعمیر کے اصول کے طور پر اخذ ہوتا ہے۔

---

1 سورۃ الھمزہ: 2

2 سورۃ الھمزہ: 3

3 سورۃ احزاب: 21

باہمی اتحاد:

اس دنیا کی ترتیب پر غور کیا جائے تو انسانی زندگی میں ارتقاء کے مراحل نظر آتے ہیں۔ ان مراحل کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی 1 نے ارتفاقات کا نام دیا ہے۔ ارتفاقات کا سفر کرتے ہوئے انسان جب چوتھی منزل پر پہنچتا ہے تو اسے اتحاد جیسی خوبی کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ نیابتِ الٰہی کے فرض کی ادئیگی میں رکاوٹ بننے والے عوامل اور طاقتوں کا مقابلہ کر سکے۔ الغرض اتحاد باہمی کی ضرورت ارتفاق ثلاثہ کے موقع پر ہی آجاتی ہے لیکن انقلاب آفاقی کی بجاآوری کے لیے آخری مرحلہ میں اس کی ضرورت مضبوط اور اہم ترین بن چکی ہوتی ہے۔ اسی نہج پر تربیتِ انسانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾[2]

ترجمہ: اور سب مل کر خدا کی (ہدایت کی رسی) کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچالیا اس طرح خدا تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

اس آیت میں اتحاد کے فروغ کا اصول دیا گیا ہے۔ باہمی اتحاد اور تفرقہ سے اجتناب فلاح اور ہدایت کی ضمانت ہے۔ متوازن شخصیت کی تشکیل کے لیے میں یہ اصول جوڑ اور اجتماعیت کی بنیاد میں کردار ادا کرتا ہے۔

اسی طرح حدیث نبوی ﷺ میں وارد ہے:

اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوبُكُمْ فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُومُوا عَنْهُ[3]

ترجمہ: ''قرآن پڑھتے رہو جب تک تمہارے دل اس پر لگے رہیں اور جب اختلاف ہو جائے تو اس سے کھڑے ہو جاؤ۔"

---

[2] سورۃ آل عمران: 103

3 بخاری، صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب کراھیۃ الخلاف، ج: 7، حدیث 7365

قرآن حکیم اور آپ ﷺ کی تعلیمات نے انسانی شخصیت کی تعمیر و تشکیل کے لیے جو نصب العین بنایا اس کا جامع پروگرام بھی دیا۔ اس پروگرام کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے عملی اصولوں کے ذریعہ رہنمائی بھی کی۔ قرآن حکیم نے صفتِ احسان، معاملات میں دیانتداری، صبر واستقامت، تحمل و بردباری، تزکیہ نفس، جدوجہد، اخلاص، طلبِ علم اور دفعِ مضرت جیسے عملی اصول فراہم کر کے انسانی شخصیت کی عملی تشکیل کا بندوبست کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین تخلیق ہے جس کے لیے اتنے جامع ترین پروگرام کا اہتمام کیا گیا۔ اس انداز سے انسانی شخصیت کی آبیاری کی صورت میں انسان کی تخلیق کے تمام اجزاء افکار، اعمال اور اخلاق سنورتے جاتے ہیں۔

باب سوم: سورۃ المزمل و سورۃ المدثر کے پس منظر کی روشنی میں فکری و عملی اصول اور تعمیرِ شخصیت کے اصول

فصل اول: سورۃ المزمل و المدثر کا بنیادی تعارف اور مضامین

فصل دوم: سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کے پس منظر کی روشنی میں تعمیرِ شخصیت کے اصول

اللہ تعالیٰ نے انسان پر اس کائنات میں بے شمار احسانات کیے۔ان احسانات میں سے سب سے عظیم اور ارفع احسان محمد الرسول اللہ ﷺ ہیں۔جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دنیا میں بھیجا تو اس وقت لوگ ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ عداوت، وحشت، انتقام، خود غرضی اور تکبر جیسی برائیوں کا بول بالا تھا۔آپ ﷺ کے آنے سے عداوت کی جگہ محبت، وحشت کی جگہ الفت، انتقام کی جگہ عفو، خود غرضی کی جگہ ایثار اور تکبر کی جگہ تواضع جیسی خوبیوں نے لے لی۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رحمت کا پیکر بنا کر بھیجا۔آپ ﷺ کی شفقت اور رہنمائی ہر خاص وعام کے لیے یکساں تھی۔اللہ تعالیٰ نے معین وقت پر آپ ﷺ کو نبوت سے نوازا۔آپ ﷺ کو قرآن کریم کا تحفہ عطا کیا گیا۔آپ ﷺ نے جس معاشرے میں آنکھ کھولی وہ فکری، عملی اور اخلاقی اعتبار سے بدحالی کا شکار تھا۔افکار میں شرک اور اعمال میں ظلم کا اثر نمایاں تھا۔اخلاق میں تزکیہ نفس کی کمی تھی۔

غارِ حرا میں پہلی وحی کے نزول کے بعد سلسلہِ وحی متروک رہا جسے فترۃ الوحی کہتے ہیں۔ فترۃ الوحی کے بعد سورۃ المزمل کا نزول ہوا۔قرآن کریم کی سورتوں کی تقسیم کو دیکھا جائے تو ہمیں مکی اور مدنی سورتوں کا ذخیرہ ملتا ہے۔ مکی اور مدنی سورتوں کا منہج اور مضامین مختلف ہیں۔جو سورتیں آپ ﷺ کی ہجرتِ مدینہ سے قبل نازل ہوئیں انھیں مکی سورتیں کہتے ہیں جبکہ وہ سورتیں جو ہجرتِ مدینہ کے بعد نازل ہوئیں انھیں مدنی سورتیں کہتے ہیں۔ مکی سورتوں کے مضامین عقائد اور مشرکین کے ساتھ دلائل قطعیہ سے خطاب پر مشتمل ہیں۔ مدنی سورتوں میں اعمال کے احکامات اور فضائل کا تذکرہ ہے۔ سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر مکی سورتیں ہیں۔ان سورتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جس ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے بھیجا اُس کے لیے نزولِ قرآن کے ابتدائی زمانہ میں آپ ﷺ کی خود تربیت کی۔آپ ﷺ کی شخصیت انسانوں کے لیے کامل نمونہ ہے اس لیے یہ سورتیں انسان کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل مین کردار ادا کرنے کے اصول فراہم کرتی ہیں۔ان اصولوں کی تلاش اور استفادہ کے لیے آئندہ صفحات پر سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کا بنیادی تعارف کرتے ہوئے سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کے تعمیرِ شخصیت میں کردار ادا کرنے والے اصولوں کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

فصل اول: سورۃ المزمل والمدثر کا بنیادی تعارف اور مضامین

الف: سورۃ المزمل کا بنیادی تعارف اور مضامین

بنیادی تعارف

رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی کا نزول چالیس سال کی عمر میں سورۃ العلق کی ابتدائی آیات کی صورت میں ہوا۔ اس کے بعد چھ ماہ تک وحی کا سلسلہ متروک رہا۔ اس عرصہ کو فترۃ الوحی کہتے ہیں۔ فترۃ الوحی کے گزرنے کے بعد سورۃ المزمل نازل ہوئی۔ سورۃ المزمل نزول کے اعتبار سے تیسری نازل ہونے والی وحی تھی۔[1] قرآن حکیم کی ترتیبِ توقیفی کے اعتبار سے سورۃ المزمل انتیسویں سپارے میں تہترویں سورت ہے۔ سورۃ المزمل مکی سورت ہے۔ یہ سورت بیس آیات اور دو رکوعوں پر مشتمل ہے۔

پسِ منظر

المزمل کے معنی "چادر میں لپٹنے والے" کے ہیں۔ اس سورت کا نام اس کی پہلی آیت ہی سے لیا گیا ہے۔ یہاں المزمل سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ آپ ﷺ پر غارِ حرا میں پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی۔ سورۃ العلق کی ابتدائی تین آیات نازل ہوئیں اور بالفعل آپ ﷺ پر نبوت کی ذمہ داری ڈال دی گئی۔ آپ ﷺ کے جسم اطہر پر کپکپی طاری ہو گئی۔ خوفِ الٰہی سے کانپتے ہوئے حضرتِ خدیجہؓ کے پاس آئے اور فرمایا: "مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے چادر اڑھاؤ[2]" اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔[3]

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جس شخص کے ساتھ لطف اور محبت کے ساتھ خطاب کرنے کا ارادہ کیا جائے اس کے ساتھ اس وقت کی مناسبت سے کسی اسم کو مشتق کر کے کلام کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؓ کے حضرت

---

1 چشتی، خلیل الرحمٰن، قرآنی سورتوں کا نظم جلی، ص:578، دار الکتب سلفیہ اردو بازار لاہور، 2011ء

2 بخاری، صحیح بخاری کتاب الوحی، باب بدء الوحی، حدیث:3

3 رازی، فخر الدین، تفسیر کبیر، ج:10، ص:484، بیروت، 1992

فاطمہؓ سے ناراض ہو کر مسجد میں جا کر سونے پر آپ ﷺ نے انھیں "قم یا ابا تراب 1" کے الفاظ سے مخاطب کیا کیونکہ آپؓ کے پہلو میں مٹی لگی ہوئی تھی۔ سو اسی اسلوب پر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو مخاطب کیا۔

یاایھاالمزمل پر غور کرنے سے وہ تصور محسوس ہوتا ہے جو اس اندرونی کیفیت کی عکاسی کرتا ہے جو اس سورت کے نزول کے زمانہ میں آپ ﷺ پر اکثر طاری رہتی تھی۔ یہ حالت عموماً ایسے شخص کی ہوتی ہے جو حالات سے فکر مند ہو۔ یہاں یہ امر بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ چادر اہلِ عرب کے لباس کا نہایت اہم جزو تھا۔

کچھ مفسرین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ چادر اوڑھ کر سوئے ہوئے تھے تو آپ ﷺ کو بذریعہ وحی ہدایت کی گئی کہ اُٹھو اور نماز پڑھو لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ چادر اوڑھ کر غفلت کی نیند سونے والوں میں سے نہیں تھے 2۔ جس شخص کو کوئی فکر لاحق ہو اس پر غفلت کی نیند کا غلبہ نہیں ہو سکتا۔

اہم مضامین:

سورۃ المزمل کی ابتدائی سات آیات میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ پر جو بارِ نبوت ڈالا جانا ہے اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں۔ اس کے لیے آپ ﷺ کو عملی صورت بتائی گئی کہ راتوں کو اٹھ کر آدھی رات یا اس سے کم و بیش نماز پڑھا کریں۔ اس سماجی تبدیلی کے نتیجہ میں جس رویہ کا سامنا تھا اس کے لیے آپ ﷺ کو تسلی دی گئی کہ آپ ﷺ اپنے رب کے ہو جائیں اور مخالفین جو باتیں کر رہے ہیں ان پر صبر کریں۔ مخالفین کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں وہ ان سے نمٹ لے گا۔ اس سے آگے کی آیات میں ان لوگوں کو سمجھانے کے لیے تنبیہ کی گئی ہے کہ ان کی طرف بھی ایسا ہی رسول بھیجا گیا ہے جیسا فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ مخالفین کو تجزیانہ انداز میں سمجھایا گیا کہ اگر رسول کی بات نہ مانیں گے تو ان کا حال بھی ویسا ہی ہو گا جیسا فرعون کے ساتھ ہوا تھا۔

دوسرے رکوع میں تہجد کے اُس حکم کی تخفیف کی گئی جس کا حکم ابتدائی آیات میں دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ مسلمانوں کو نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ اللہ کی راہ میں اخلاص کے ساتھ خرچ کرنے کا اہتمام کرنے کی تلقین کی گئی۔ ان اعمال کی بجاآوری پر ایمان والوں کو بہترین انعام کی خوشخبری دی گئی۔

---

1 بخاری، صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، باب نوم الرجال فی المسجد حدیث: 441

2 اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، ج:9، ص:22، فلک شیر پرنٹرز لاہور، 2009

ب: سورۃ المدثر کا بنیادی تعارف اور مضامین

بنیادی تعارف:

سورۃ المدثر بھی نزولِ قرآن کے ابتدائی عرصہ میں نازل ہوئی۔ قرآن کریم کی ترتیبِ توقیفی کے اعتبار سے سورۃ المدثر بھی اُنتیسویں سپارے میں ہے۔ یہ قرآن کریم کی چوہتر ویں سورت ہے۔ سورۃ المدثر مکی سورت ہے۔ سورۃ المدثر چھپن آیات اور دو رکوعوں پر مشتمل سورت ہے۔

پسِ منظر:

سورۃ المدثر کا پسِ منظر یہ ہے کہ فترۃ الوحی کے زمانہ کے بعد سورۃ المزمل کی آیات نازل ہوئیں۔ اب چونکہ مسلسل قرآن کریم کا نزول جاری تھا تو یہ سورت بھی ابتدائی عرصہ میں نازل ہوئی۔ اس سورت میں رسول اللہ ﷺ کو اعلانیہ دعوتِ توحید کا حکم دیا گیا۔ وہ بارِ گراں جس کا تذکرہ سورۃ المزمل میں کیا گیا تھا اُس کو عام کرنے کا کام شروع ہوا چاہتا تھا۔ یہ کام ایسا کام تھا جس سے قدیم نظاموں کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ قریشِ مکہ نے آپ ﷺ کے خلاف سازش کا انتظام کیا۔ اس سورت کے نزول کے وقت حج کا وقت قریب تھا جس کے سبب قریش کو خطرہ لاحق تھا کہ جو پیغام رسول اللہ ﷺ بیان کر رہے ہیں اس کا آنے والے قافلوں پر اثر پڑے گا اور نہ جانے کتنے لوگ آپ ﷺ کی دعوت قبول کر لیں گے۔ اس امر کے پیشِ سردارانِ قریش مشورہ کے لیے جمع ہوئے۔ سازش کا پروگرام طے کرنے کے بعد ولید بن مغیرہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا اگر آپ لوگوں نے محمد ﷺ کے متعلق لوگوں کو مختلف باتیں کیں تو ہم سب کا اعتبار جاتا رہے گا لہٰذا کوئی ایک بات طے کر لیں۔ مختلف آراء پر غور کرنے کے بعد وہ سب ایک بات پر آمادہ ہوئے اور حاجیوں میں پھیل گئے۔ سورت کے بقیہ حصہ میں ولید بن مغیرہ کا نام لیے بغیر منکرینِ حق کو خبر دار کیا گیا اور عندیہ دیا گیا کہ وہ لوگ اپنے کیے کا انجام قیامت کے روز دیکھ لیں گے۔ دوزخ کی ہولناکیوں کا تذکرہ کر کے اس کے مستحق لوگوں کی شخصیت کو واضح کیا گیا۔ سورت کے آخری حصہ میں ان لوگوں کے اس انجام کا سبب بتا کر اعلانِ عام کر دیا گیا کہ حق و باطل کے انتخاب میں انسان کو اختیار دے دیا گیا ہے۔

اہم مضامین:

سورۃ المدثر کے اہم مضامین کا احاطہ کیا جائے تو سب سے پہلے توحید اور اللہ کی کبریائی کا اعلانِ عام سامنے آتا ہے۔ اس کے بعد سورۃ المدثر کے بنیادی مضامین میں اخلاص کے ساتھ اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ مضامینِ سورت میں صبر کی تلقین اور مخالفین کی فکری کیفیت کا نفسیاتی تجزیہ شامل ہے۔ منکرین کی فکری کیفیت کے تجزیہ کے نتیجہ میں ان کا انجام اور اُس انجام کے اسباب سورت کے اہم مضامین میں سے ہیں۔ سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا مظاہرہ ہے جو کہ انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کے سبب ہے کہ انسان کو حق و باطل کے انتخاب میں اختیار حاصل ہے۔ وہ جو چاہے اپنے لیے پسند کرے۔

فصل دوم: سورۃالمزمل اور سورۃالمدثر کا پس منظر اور تعمیرِ شخصیت کے اصول

الف: سورۃالمزمل کا پس منظر اور تعمیرِ شخصیت کے اصول

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو تخلیق کرنے کے بعد حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور اپنے نائب کی حیثیت سے اس عالمِ فانی کا باشندہ بنایا۔ اس اعزازِ انسانی کا سبب نیابتِ الہیٰ کے فرض کی ادائیگی تھی۔ انسان کے وجود کو عقل، جسم اور روح سے مزین کیا۔ اولادِ آدمؑ سے انسانیت کو دنیا میں پھیلایا۔ خاندانوں کی اس بڑھوتری کی بنیاد پر معاشروں کی تشکیل ہوئی۔ وقت کے ساتھ ساتھ جب انسان گمراہی اور تذبذب کا شکار ہوتا تو رہنمائی کے لیے انبیاء و کتب کی صورت میں اسباب پیدا کیے۔ انسانیت کے طویل سفر پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمِ وجود کی تمام رونقیں انسان ہی سے ہیں۔ انسان کے وجود کے تین عناصر عقل، جسم اور روح ہی سے اس کی شخصیت کی بناوٹ کی ترکیب معلوم ہوتی ہے یعنی کہ انسان افکار، اعمال اور اخلاق پر مشتمل وجود کا نام ہے۔ متوازن شخصیت افکار، اعمال اور اخلاق کا بہترین امتزاج ہوتی ہے جبکہ غیر مہذب شخصیت افکار، اعمال اور اخلاق کی پستی کا نام ہے۔ قدیم انسانی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ عیاں ہوتا ہے کہ انسانی معاشرہ اپنے ابتدائی دور میں ایک خاص نہج پر چل رہا تھا۔ نباضِ فطرتِ انسانی حضرت ابراہیمؑ نے اسے نئی ترقی یافتہ بنیادوں پر قائم کیا۔ اس کے بعد حضرت یعقوبؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے انہی اصولوں پر کام کیا جن کی بنیاد حضرت ابراہیمؑ ڈال گئے تھے۔ صدیاں گزر جانے کی بعد حضرت ابراہیمؑ کے قائم کردہ وہ اصول جن کی بنیاد پر انسانی معاشرہ نے نئی روح پائی تھی معاشرے میں مسلم ہو گئے تھے اور انسانیت نے ان کے فطرت ہونے کا اعتراف کر لیا تھا۔ اب اس امر کی ضرورت تھی کہ تعمیر و تشکیل اور رہنمائی کے لیے آخری اور دائمی ہدایت نامہ انسانیت کے حوالے کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حتمی ہدایت نامہ قرآن کریم کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ انسانیت کو دیا۔ معاشرے کے انسانوں کی شخصیت کی تعمیر کے لیے اصول قرآن نے دیے لیکن ان اصولوں کی عملی شکل سیکھانے کے لیے کسی اکمل اور احسن شخصیت کی بطورِ نمونہ ضرورت تھی۔ اس احسان کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو رسول اللہ ﷺ کا اُسوہ بطورِ نمونہ عطا کیا۔ جس طرح قرآن حکیم تعمیرِ شخصیت کے اصول فراہم کرتا ہے اُسی طرح اُسوہ رسول ﷺ انسانیت کی تعمیرِ شخصیت کے لیے رہنما اصول فراہم کرتے ہیں۔

اس تحقیق میں تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کو سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کے تناظر اور پس منظر کو مد نظر رکھتے ہوئے حاصل کرنے کو کوشش کی گئی ہے۔ ان سورتوں کے پس منظر میں ان سورتوں کے نزول کے وقت، حالات اور رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا بچپن:

رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے قبل آپ ﷺ سے والد کا سایہ اُٹھا لیا گیا۔ سات سال کی کم سن عمر میں والدہ ماجدہ بھی رخصت ہو گئیں۔ اب آپ ﷺ کی مکمل نگہداشت دادا عبد المطلب نے سنبھالی۔ آٹھ سال کی عمر میں دادا کا سایہ شفقت بھی اٹھ گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کی مکمل ذمہ داری آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے سنبھالی۔

کم عمری میں رسول اللہ ﷺ غم اور دکھ کی ان منازل سے دو کنار ہوئے اور ان واقعات نے آپ ﷺ پر گہرا اثر چھوڑا۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنے چچا کے ساتھ مضبوط تعلق تھا۔ چچا ابو طالب بھی آپ ﷺ کے معاملہ میں فکر مندی سے کام لیتے۔ اپنے بچوں کی نسبت آپ ﷺ کا خصوصی خیال رکھتے۔

آپ ﷺ کی شخصیت میں نمایاں خصوصیات ودیعت کی گئی تھیں جو عموماً طفلیت کے دور میں نہیں پائی جاتیں۔ ان اوصاف کا بخوبی علم آپ ﷺ کی زندگی کے واقعات سے ہوتا ہے۔

رغبتِ علم:

آپ ﷺ نے انتہائی کم عمری میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کا تجارتی سفر کیا۔ اس سفر میں آپ ﷺ نے بحیرا نامی راہب سے ملاقات کی اور عیسائیت کے متعلق سوالات کیے۔ آپ ﷺ اس معلومات پر غور و فکر کرتے لیکن قائل نہ ہوئے۔ آپ ﷺ کو باقاعدہ تحصیلِ علم کا موقع نہیں ملا اس لیے آپ ﷺ کی زندگی میں علم کی رغبت کا اندازہ ایسے واقعات سے ہوتا ہے جن میں آپ ﷺ نے دیگر مذاہب کے بارے میں جاننے کو کوشش کی۔

تحقیق:

رسول اللہ ﷺ کا بیشتر وقت مکہ ہی میں گزرتا۔ چونکہ اہلِ عرب اہلِ زباں تھے اس لیے وہاں شعراء اور ادباء کو سننے کا رواج موجود تھا۔ مکہ میں عکاظ، مجنہ اور ذی المجاز جیسے بازاروں میں عرب شعراء کلام سناتے۔ اسی طرح انھی بازاروں میں مجوسی اور نصرانی ادباء کا آنا ہوتا اور وہ تقاریر سناتے۔ اکثر اوقات ان تقاریر کا موضوع بت پرستی کی مخالفت پر مبنی ہوتا۔ اس کا سبب اہلِ عرب کو اپنے مذہب کی طرف مائل کرنا ہوتا تھا۔ آپ ﷺ یہ نثر سنتے اور اس کا موازنہ عرب کے مشرکانہ افکار کے ساتھ کرتے۔[1] ان کے مذہبی افکار کو بت پرستی سے بہتر محسوس کرتے لیکن اعتماد نہ کرتے۔

گویا عہدِ طفلی ہی میں قدرت آپ ﷺ کی شخصیت کی تعمیر کر رہی تھی۔ آپ ﷺ کی شخصیت میں تب ہی تحقیق اور جستجو گھس چکی تھی کہ حقیقت کا سراغ کچھ اور ہے۔ آپ ﷺ بت پرستی اور دیگر مذاہب کے افکار سے تسلی بخش کیفیت نہ پاتے تھے۔ اسی حقیقت کی تحقیق اور جستجو آپ ﷺ کو ہمہ وقت فکر مند رکھتی۔

فکر مندی اور سورۃ المزمل

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں نبوت سے قبل حالات کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مشرکینِ مکہ کے مذہبی افکار اور اُس زمانہ کے دیگر مذاہب کے کفریہ افکار سے مطمئن نہیں تھے۔ آپ ﷺ کو حقیقت کی تلاش تھی۔ اس کے لیے اکثر فکر مند رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دنیا کے لیے ہدایت و رہنمائی کا منبع بنانا تھا اس کے لیے دن بدن آپ ﷺ کی تلاشِ حق کی فکر شدت اختیار کرتی گئی۔ ان حالات کے پیشِ نظر آپ ﷺ نے

---

1 سنن ابن ماجہ میں امام ابو داود شرید بن سوید کی روایت نقل کرتے ہیں جس کے الفاظ ہیں: قال : كنت ردف رسول الله – صلى الله عليه وسلم فقال : هل معك من شعر أمية بن أبي الصلت شيء ؟ فقلت نعم فقال : هيه ، فأنشدته بيتا ، فقال : هيه ، ثم أنشدته بيتا ، فقال : هيه حتى أنشدته مائة بيت، محمد بن ماجہ، کتاب الادب، باب الشعر، حدیث: 3758

البتہ صحیحین میں امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ ہیں: عن أَبِي هريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ الله صَلَّى الله علَيه وسَلَّم: أَصْدَقُ كلمة قالَها شاعرٌ كلمةُ لَبيد: أَلَا كُلُّ شيءٍ ما خَلَا الله باطلٌ وكَادَ أُمَيَّةُ بن أَبِي الصَّلْت أَنْ يُسْلِمَ، صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب القسامۃ فی الجاہلیۃ، حدیث: 3841

تنہائی اور غور و فکر کو پسند کیا تاکہ قوم کی ہدایت کے لیے حق اور ہدایت کا طریقہ تلاش کیا جائے سکے۔ بالآخر آپ ﷺ کو نورِ نبوت سے نوازا گیا۔ آپ ﷺ اس عظیم مقصد کی ادائیگی سے قبل جس کیفیت کا شکار تھے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ کے الفاظ سے مخاطب کیا۔ چنانچہ مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں "جب آپ ﷺ کو اپنی مریض قوم کی دوا بیزاری اور طبیب دشمنی کا ذاتی تجربہ ہوا اس تجربے سے آپ ﷺ پر جو کیفیت طاری ہوئی لفظِ مزمل اسی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔"[1]

اس کا مقصد آپ ﷺ سے اظہارِ لطف تھا جو کہ آپ ﷺ کی اُس وقت کی کیفیت کی ترجمانی کر رہا تھا۔ آپ ﷺ فکر مندی کے سبب ایسی کیفیت میں تھے جس میں ایک غمگیں اور فکر مند شخص دنیا سے لاتعلق ہو کر اپنی چادر میں سمٹ جاتا ہے۔ اس انداز میں انسان کو غور و فکر کا موقع ملتا ہے۔ موقع کی مناسبت سے آپ ﷺ کو مزمل کہہ کر پکارا گیا۔ احساسِ فکر کی کیفیت میں آپ ﷺ کا طرزِ عمل تھا کہ آپ ﷺ غارِ حرا میں جا کر وقت گزارتے اور غور و فکر کرتے۔ اسی اثناء میں آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ بعض مفسرین کرام نے یہاں مزمل سے یہ مراد لیا ہے جو کہ آپ ﷺ چادر اوڑھ کر سوئے ہوئے تھے لیکن آپ ﷺ نے نبوت ملنے سے قبل جن حالات کا سامنا کیا اور آپ ﷺ کے اندر جو حق کی جستجو تھی اس کی بنیاد پر ایسا ممکن نہیں ہے۔ کوئی فکر لاحق ہو وہ غافل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا آپ ﷺ کو ایسی فکر لاحق تھی جو انمول تھی۔ آپ ﷺ کا غار میں رہ کر وقت گزارنا اپنی جان پر ضرورت سے زیادہ بار اُٹھانے کے مترادف تھا۔

اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی فکر مندی اور پریشانی کا حل بتایا۔ قیام اللیل کا تعین اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک اپنی پریشانی کے سبب اس سے زیادہ بوجھ اُٹھائے ہوئے تھی جتنا اللہ تعالیٰ نے ڈالا تھا۔

یوں ان دو آیات سے رسول اللہ ﷺ کی شخصیت سازی کی جا رہی تھی۔ ان آیات سے فکر مندی کا اصول تعمیرِ شخصیت کے طور پر مستنبط ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ انسان اپنی ذمہ داری کے معاملہ میں اتنا بوجھ اٹھائے جس کا وہ اہل ہے اور مشکل میں قیام اللیل کا اختیار کرے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

1 سندھی، عبید اللہ، قرآنی شعور انقلاب، ج:2، ص:242، رحیمیہ مطبوعات لاہور، 2009ء

﴿وَاسۡتَعِينُوا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلَاةِ﴾[1]

ترجمہ: اور (رنج و تکلیف میں) صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔

یوں قرآن کریم نے باقاعدہ اصول دے کر مشکلات کا سامنا کرنا آسان بنادیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ متوازن شخصیت کا صبر کے پہلو سے مالا مال ہونا ضروری ہے۔

غور و فکر:

سیرت النبی ﷺ سے ہمیں غور و فکر کا پہلو تعمیرِ شخصیت کے اصول کے طور پر ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی شخصیت سازی کے لیے سورۃ المزمل میں ارشاد فرمایا:

﴿أَوۡ زِدۡ عَلَيۡهِ وَرَتِّلِ الۡقُرۡآنَ تَرۡتِيلًا﴾[2]

ترجمہ: یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو قرآن کریم کی تلاوت کا طریقہ سکھایا۔ ٹھہر ٹھہر کر قرآن کریم پڑھنے کا مقصود اس میں تفکر و تدبر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخصیت کی شخصیت سازی کی اس میں غور و فکر کے ملکہ کو پسند کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ قرآن کریم غور و فکر کی چیز ہے اور قرآن حقیقی اور فطری چیزوں کو بیان کرتا ہے۔ انسان کے اندر یہ صلاحیت پیدا کرنے کے لیے قرآن نے اصول دے دیا ہے۔ یہ اصول متوازن شخصیت کے لیے زندگی کے جملہ پہلوؤں میں کارآمد ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اگر بعثت سے پہلے کے زمانہ پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بچپن ہی سے غیر معمولی شخصیت تھے۔ زمانۂ جہالت کے اپنے ہم عمر جوانوں کی طرح عرف کی لہو و لب میں پڑنے والے نہیں تھے۔ گویا فطرت آپ ﷺ کی تربیت پہلے ہی سے کر رہی تھی۔

سورۃ المزمل کی ابتدائی چار آیات میں آپ ﷺ کی شخصیت میں قیام اللیل اور تفکر و تدبر کو ڈالنے کا مقصد اس بارِ گراں کو اٹھانے کی صلاحیت پیدا کرنا تھا جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

---

1 سورۃ البقرۃ: 45

2 سورۃ المزمل: 04

تحمل:

رسول اللہ ﷺ کی شخصیت تحمل کا پیکر تھی۔ سیرت النبی ﷺ پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پر احکاماتِ الہیٰ کے نازل ہونے سے جو ذمہ داری عائد ہوئی اس کی بجاآوری کے لیے آپ ﷺ کو مشرکینِ مکہ اور خاندانِ قریش کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی شخصیت کو سماجی تبدیلی کا ذریعہ بنانا تھا جس کے لیے آپ ﷺ کی شخصیت میں تحمل کا پیدا کرنا ضروری تھا۔ تحمل کے وصف کو پیدا کرنے کے لیے پہلے اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل کا حکم دیا کیونکہ اس کے بعد آپ ﷺ پر اترنے والے کلام کے نتیجہ میں آپ ﷺ کو شدید حالات کا سامنا کرنا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا﴾1

ترجمہ: ہم عنقریب تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے۔

سورۃ المزمل کی اس آیت میں بھاری فرمان یا بارِ گراں سے مراد وہ چیز تھی جس کا ذکر اس سے آگے سورۃ المدثر میں قُمْ فَأَنْذِرْ 2 کی صورت میں ہے۔ آپ ﷺ کی شخصیت سے اس زمانہ کے نظام پر اقامتِ دین کے ذریعے سماجی تبدیلی کو غالب لانا تھا جس کے لیے آپ ﷺ کی شخصیت میں معرفتِ الہیٰ اور صبر و تحمل جیسی خصوصیات کی آبیاری کا اہتمام کیا گیا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی شخص پر بھاری ذمہ داری عائد کرنے سے قبل اس کی شخصیت میں تحمل و برداشت کے وصف کو یقینی بنانا ضروری ہے۔ انسان کی شخصیت سازی کے دوران شخصیت میں اہلیت پیدا کرنے کا اصول قرآن کریم نے نماز کے قیام کی صورت میں دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسانی شخصیت کی تعمیر و تشکیل ان اصولوں کے بغیر کی جائے تو متوازن شخصیت کی تشکیل ممکن نہیں ہو گی۔

فکری اور روحانی استحکام:

آپ ﷺ کی شخصیت زمانۂ شباب ہی سے مثبت اور فطری چیزوں کو پسند کرتی تھی۔ فکری طور پر آپ ﷺ مشرک مذہب، غیر فطری اعمال اور سماجی استحصال سے بیزار تھے۔ سورۃ المزمل کے پسِ منظر پر غور کیا جائے تو یہ بات

---

1 سورۃ المزمل: 05

2 سورۃ المدثر: 02

سامنے آتی ہے کہ آپ ﷺ فکری طور پر معرفتِ الہیٰ کی جستجو میں ڈوبے ہوئے تھے اور روحانی طور پر تزکیہ کے مرحلہ سے گزر چکے تھے۔ اس فکری اور اخلاقی استحکام کے سبب دعوت و سماجی تبدیلی، آپ ﷺ کی داعیانہ شخصیت کو بہتر بنانے اور آئندہ آنے والی مشکلات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آپ ﷺ کو سورۃ المزمل دی گئی۔ سورۃ المزمل صاحبِ نبوت کی شخصیت میں صلاحیت کی تعمیر کی بنیاد کا کردار ادا کر رہی تھی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تشکیلِ معاشرہ کے لیے فکری اور اخلاقی استحکام سے آراستہ شخصیت کی تشکیل ضروری ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا﴾[1]

ترجمہ: کچھ شک نہیں کہ رات کا اٹھنا (نفس بہیمیت) کو سخت پامال کرتا ہے اور اس وقت ذکر بھی خوب درست ہوتا ہے۔

اس ہم آہنگی کے نتیجہ میں شخصیت فکری اور روحانی استحکام سے بہرہ مند ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کی شخصیت میں یہ وصف ایک عظیم کارنامہ کی انجام دہی کے لیے پیدا کیا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فکری اور روحانی استحکام کا اصول قرآن کے حکم اور آپ ﷺ کی عملی زندگی سے ثابت ہوتا ہے جو کہ متوازن شخصیت کا خاصا ہے۔ نفس کی سختی کو دور کرنے کا تعلق رات کے پچھلے پہر سے وابستہ ہے جس کا سبب قرآن کریم کی آیت إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا میں بیان کر دیا گیا۔ آپ ﷺ کے لیے دن کے اوقات میں طویل جدوجہد تھی جس کے لیے رات کے قیام کا حکم دیا گیا تاکہ آپ ﷺ کی شخصیت قابلیتی اور مقداری استحکام حاصل کریں۔ الغرض متوازن شخصیت کے دن اور رات کے اوقات میں توازن کا قیام یقینی ہوتا ہے۔ اس توازن کے نتیجہ میں انسان عملی اور روحانی اعتبار سے غیر معمولی بن جاتا ہے اور ایک کامیاب اور متوازن شخصیت کی کامیابی وقت کے توازن اور صحیح استعمال پر مبنی ہوتی ہے۔

---

[1] سورۃ المزمل:06

زہد و تقویٰ:

نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مبارک صرف اپنے لیے ہی نہیں بلکہ کل کائنات کے لیے فکر مند تھی۔ آپ ﷺ کی شخصیت سازی اس فکر کی بنیاد پر کی گئی۔ آپ ﷺ کو اس انداز میں مخاطب کیا گیا:

﴿إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا﴾[1]

ترجمہ: دن کے وقت تو تمہیں اور بہت سے شغل ہوتے ہیں۔

﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا﴾[2]

ترجمہ: تو اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

آپ ﷺ کی شخصیت کو مخاطب کر کے بتادیا گیا کہ دن کے اوقات میں مصروفیت ہوتی ہے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اس حکم سے زہد و تقویٰ کا یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ متوازن اصولوں پر تعمیر شدہ شخصیت کسی دم غافل نہیں ہوتی۔ زہد و تقویٰ کا قیام انسان کو رحمتِ خداوندی میں محصور کر کے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اس سے انسان کی روح کی آبیاری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت کی صورت میں روحِ انسانی مر جاتی ہے۔ اس امر کے پیشِ نظر انسان کی روح اور دماغ کو اطمینان دینے کے لیے دورانِ مصروفیت اور فارغ اوقات میں یادِ الٰہی کا حکم دے کر شخصیت کو مستحکم کرنے کا اصول دیا گیا۔ تَبْتِيلًا کے معنی انقطاع الی اللہ کے ہیں۔[3] اس آیت میں لفظِ تَبْتِيلًا سے انقطاع الی اللہ کی کیفیت کا پیدا کرنا معلوم ہوتا ہے۔ یعنی تبتیل سے مراد رجوع الی اللہ کی ایسی کیفیت ہوئی جس سے دنیا و مافیہا کی فکر ختم ہو جائے۔ یہ کیفیت انسان کے اندر توکل جیسی خوبی پیدا کرتی ہے۔ انسان کو صفاتِ الٰہی کا استحضار حاصل ہو جاتا ہے اور انسان اپنے ساتھ ایسی مدد محسوس کرتا ہے جس کی وجہ سے مخالف طاقتوں کی وقعت نہیں رہتی۔ اسی طرح "سبح" کے معنی تیرنا ہوتا ہے یعنی تیراک مخالف سمت سے آنے والے پانی کے خلاف جدوجہد کرتا ہے اور اس کی جدوجہد پر اس کی کامیابی (تیراکی) منحصر ہوتی ہے چناچہ اس آیت میں آپ ﷺ کو کہا گیا کہ دن کے اوقات

---

[1] سورۃ المزمل: 07

[2] سورۃ المزمل: 08

[3] اصلاحی، تدبر قرآن،

میں آپ نے بادِ مخالف کے خلاف طویل جدوجہد کرنی ہے لہٰذا اپنے اوقات میں سے رات کو یادِ الٰہی اور دن کو طویل جدوجہد میں گزاریے۔[1]

یقینِ کامل:

شخصیت کے مستحکم قیام میں یقین کامل کا عنصر اسے ممتاز بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جس کام کے لیے چنا اس کام میں تدبیر کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ پر یقین کامل کا ہونا ضروری تھا۔ اس کے علاوہ بھی متوازن شخصیت کی زندگی جن کاموں میں گزرتی ہے ان میں اسباب کے استعمال کا اہتمام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ضروری ہے۔ اسی کو یقینِ کامل کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کو یقینِ کامل سے مستفیض کرنے کے لیے ارشاد فرمایا:

﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا﴾[2]

ترجمہ: مشرق اور مغرب کا مالک (ہے اور) اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بناؤ۔

سیرت النبی ﷺ سے یہ پہلو سامنے آتا ہے کہ جہاں رسول اللہ ﷺ کو سب کا احساس اور فکر تھی وہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی شخصیت میں یقینِ کامل کے قیام کا اہتمام کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرائضِ منصبی کی ادائیگی کے لیے میدان میں آئے تو فکری مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس مزاحمت نے سازش کی صورت اختیار کی۔ رسول اللہ ﷺ کو تکالیف پہنچائی گئیں۔ جب ان سے کام نہ بنا تو مشرکینِ مکہ نے آپ ﷺ کے چچا ابو طالب پر دباؤ ڈالا کہ رسول اللہ ﷺ کو اسلام کی دعوت سے روکیں۔ آپ ﷺ یقین کے ساتھ اس کام کی انجام دہی کے لیے ڈٹ گئے۔ مکہ کے جمودی معاشرے میں اس عمل کا نتیجہ بھگتنے کے لیے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو سازشوں، تکالیف اور بالآخر عملی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس امر کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہ بنائیں کیونکہ مشرق اور مغرب اور ان کے بیچ میں بسنے والے تمام لوگوں کا وہی رب ہے چنانچہ اس کی

---

1 سندھی، قرآنی شعور انقلاب، ج:2، ص:217

2 سورۃ المزمل:09

ذات پر یقین ہونا چاہیے۔ آئندہ پیش آمدہ حالات کا سامنا کرنے اور حق پر قائم رہنے کے لیے آپ ﷺ کی شخصیت کو یقینِ کامل جیسی دولت سے مزین کر دیا گیا۔

صبر:

رسول اللہ ﷺ عرب کے باطل معاشرے میں حق کی روشنی لے کر اصلاح کے لیے اُٹھے تھے۔ آپ ﷺ کی شخصیت عین جوانی میں سب کے لیے مثالی اور پسندیدہ ترین تھی۔ جب آپ ﷺ نے کفر کے خلاف حق کی صدا لگائی تو وہ معاشرہ تلملا اُٹھا۔ آپ ﷺ کی ابتدائی کوشش کو نظر انداز کیا گیا۔ تین سال کی محنت کے بعد آپ ﷺ کے خلاف مزاحمت کا فیصلہ کیا گیا۔ آپ ﷺ کی نیک نامی کو داغدار بنانے کی کوشش کی گئی۔ [1] اس کے بعد آپ ﷺ کے ساتھیوں پر دباؤ ڈالا گیا۔ حقیقی تبدیلی کے عظیم مقصد کی کامیابی کے لیے آپ ﷺ کو صبر کا حکم دیا گیا اور فرمایا:

﴿وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاهۡجُرۡهُمۡ هَجۡرًا جَمِیۡلًا﴾[2]

ترجمہ: اور جو جو (دل آزار) باتیں یہ لوگ کہتے ہیں ان کو سہتے رہو اور اچھے طریق سے ان سے کنارہ کش رہو۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات ایک عظیم مقصد کی جدوجہد میں مصروفِ عمل تھی۔ آپ ﷺ کو مخالفین کے ردِ عمل پر وضاحت دینے کے بجائے کنارہ کش ہونے کو کہا گیا۔ **هَجۡرًا جَمِیۡلًا** کے تقاضا کے تحت جوابدہی میں وقت صَرف کرنے کے بجائے صبر کرنے کو فوقیت دی گئی تاکہ ردِ عمل کی کشیدگی مقصد پر اثر انداز نہ ہو۔ سورۃ المزمل کی اس آیت میں آپ ﷺ کو صبر کا حکم دیا گیا۔ صبر اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ ان حالات سے نبرد آزما ہونے کی حکمتِ عملی بھی بتائی کہ اچھے طریقہ سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ متوازن شخصیت مقاصد کے حصول کے لیے مشکل حالات پر صبر کرتی ہے اور کشیدگی کو مقاصد پر اثر انداز ہونے سے اجتناب کرتی ہے اور پوری توجہ کے ساتھ اپنے مقصد میں مصروفِ عمل رہتی ہے۔

اس رویہ پر اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں ان کے انجام کی طرف اشارہ کیا۔

---

[1] اصلاحی، تدبر قرآن، ج:9، ص:51، واقعہ دار الندوہ

[2] سورۃ المزمل:10

مشاہدہ:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو غور و فکر کرنے کی صلاحیت دی۔ فطرت نے انسانی تقاضوں کی بنیاد پر مشرکینِ مکہ کی اصلاح کا اہتمام کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَهِيلًا إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا﴾[1]

ترجمہ: اور مجھے ان جھٹلانے والوں سے جو دولتمند ہیں سمجھ لینے دو اور ان کو تھوڑی سی مہلت دے دو کچھ شک نہیں کہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی ہوئی آگ ہے اور گلو گیر کھانا ہے اور درد دینے والا عذاب (بھی) ہے جس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں اور پہاڑ ایسے بھر بھرے (گویا) ریت کے ٹیلے ہو جائیں (اے اہل مکہ) جس طرح ہم نے فرعون کے پاس (موسیٰ کو) پیغمبر (بنا کر) بھیجا تھا (اسی طرح) تمہارے پاس بھی (محمد ﷺ) رسول بھیجے ہیں جو تمہارے مقابلے میں گواہ ہوں گے سو فرعون نے (ہمارے) پیغمبر کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اس کو بڑے وبال میں پکڑ لیا اگر تم بھی (ان پیغمبروں کو) نہ مانو گے تو اس دن سے کیونکر بچو گے جو بچّوں کو بوڑھا کر دے گا (اور) جس سے آسمان پھٹ جائے گا۔ یہ اس کا وعدہ (پورا) ہو کر رہے گا۔

ان آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ متوازن شخصیت مشاہدے کے ذریعے غور و فکر کرتی ہے اور استدلال کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ کو تنبیہ کی کہ غور و فکر کر لو۔ موسیٰؑ اور فرعوں کے واقعہ سے سبق سیکھنے کی طرف توجہ دلائی۔ آخرت کی منازل سے ڈرایا۔

اس تمام کیفیت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکینِ مکہ فکری جمود کا شکار تھے۔ وہ مشاہدہ اور غور و فکر سے کام لینا ہی نہیں چاہتے تھے جبکہ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت تفکر و تدبر کا مرقع تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ متوازن شخصیت کی تعمیر کے لیے مشاہدہ اور اس سے استدلال کی صلاحیت بہترین شخصیت کا حسن ہے۔

---

[1] سورۃ المزمل: 11-14

احسان:

اللہ تعالیٰ جہاں اپنے مقرب بندوں کی رہنمائی کا انتظام کرتا ہے وہیں احسان کا معاملہ بھی کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کی تکمیل کا باقاعدہ اہتمام کیا۔آپ ﷺ کو قیام اللیل کا حکم دیا۔حالات کے پیشِ نظر قیام اللیل اور صبر سے آپ ﷺ کی شخصیت کو تقویت دی۔اس کے بعد آپ ﷺ پر احسان کا معاملہ کیا۔سورۃ المزمل کے آخر پر ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَن سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ ۙ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾[1]

ترجمہ: تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ تم اور تمہارے ساتھ کے لوگ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات قیام کیا کرتے ہو۔اور خدا تو رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے۔اس نے معلوم کیا کہ تم اس کو نباہ نہ سکو گے تو اس نے تم پر مہربانی کی۔پس جتنا آسانی سے ہو سکے (اتنا) قرآن پڑھ لیا کرو۔اس نے جانا کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوتے ہیں اور بعض خدا کے فضل (یعنی معاش) کی تلاش میں ملک میں سفر کرتے ہیں اور بعض خدا کی راہ میں لڑتے ہیں۔تو جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا پڑھ لیا کرو۔اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور خدا کو نیک (اور خلوص نیت سے) قرض دیتے رہو۔اور جو عمل نیک تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو خدا کے ہاں بہتر اور صلے میں بزرگ تر پاؤ گے۔اور خدا سے بخشش مانگتے رہو۔بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو ابتدا میں قیام اللیل کا حکم دیا گیا۔اس موقع کی مناسبت سے اس حکم کا مقصد کچھ اور تھا جبکہ آخر پر آکر اس حکم میں تخفیف کر دی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ نبوت شخصیت کو صفتِ احسان کا درس دیا

---

[1] سورۃ المزمل: 20

گیا۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غور کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال سے احسان کا بہترین مشاہدہ ہوتا ہے۔اس کی مثال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشرکینِ مکہ کے ساتھ برتاؤ ہے۔ مشرکینِ مکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت پر ظلم کرتے رہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتے رہے۔

ب: سورۃ المدثر کے فکری اور عملی اصول سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اور تعمیرِ شخصیت کے اصول

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو دینِ حنیفیت کی روح کو انسانیت میں زندہ کرنے کے لیے مبعوث کیا۔ آپ ﷺ کو اُس معاشرے میں بھیجا گیا جس کی فکری، عملی اور اخلاقی تربیت کی ضرورت تھی۔ اس معاشرے کے بندوں کا معبود اور مخلوق کے ساتھ متوازن تعلق استوار کرنے کی ضرورت تھی۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اس معاشرے کے افراد کی شخصیت سازی کرنی تھی۔ اس اصلاح کی فکر آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ میں موجود تھی جس کا اندازہ سورۃ المزمل کے سیاق سے واضح ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سورۃ المزمل کے تحت وقت سے پہلے آگاہ کر دیا تھا کہ آپ ﷺ پر ایک بڑی ذمہ داری عائد کی جائے گی۔ آپ ﷺ کی شخصیت میں اس کام کی نوعیت کے تحت صلاحیت پیدا کی گئی اور آپ ﷺ نے ابتدائی طور پر اسی لائحہ عمل پر اس کام کو کیا۔ سورۃ المدثر میں آپ ﷺ کو اُس کام کا واضح حکم دیا گیا جس کا ذکر سورۃ المزمل میں کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے سورۃ المزمل کے اصولوں کے تحت انفرادی طور پر تعمیرِ شخصیت کا کام کیا جبکہ سورۃ المدثر میں اس کام کے اجتماعی پیمانے پر کئے جانے کا تقاضا کیا گیا۔ آپ ﷺ کی شخصیت میں انسانوں کے معبود اور مخلوق کے ساتھ تعلقات استوار کروانے کی فکر موجود تھی جس کے لیے آپ ﷺ کو المدثر کے الفاظ سے خطاب کیا گیا۔ عرب کے اس معاشرہ میں خداشناسی اور انسان دوستی کے تقاضوں کے تحت افراد کی شخصیت سازی کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعہ کامل اصلاحِ انسانی کا اہتمام کیا اور قرآن حکیم کو لوگوں کی اصلاح کے لیے اتارا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ افراد کی مختصر جماعت میں صلاحیت پیدا کرنے کے بعد آپ ﷺ کو دعوتِ عام کا حکم دیا گیا۔

قرآن حکیم کا مخاطب انسان ہے۔ اسی طرح اس زمانہ کے اعتبار سے قرآن کریم کا مخاطب مشرکینِ مکہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المدثر میں اہلِ مکہ کی شخصیت سازی کا اہتمام کیا تاکہ وہ لوگ جو دینِ حنیفیت کے دعویدار تھے ان میں حنیفیت کی روح کو از سرِ نو زندہ کیا جاسکے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی روشنی میں سورۃ المدثر تعمیرِ شخصیت کے لیے اصول فراہم کرتی ہے۔ تحقیق کے اس حصہ میں سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں سورۃ المدثر سے حاصل ہونے والے تعمیر شخصیت کے اصولوں کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

احساسِ ذمہ داری:

رسول اللہ ﷺ کی شخصیت فطرتِ سلیمہ کی حامل شخصیت تھی۔آپ ﷺ باطل عقائد سے متنفر تھے۔ باطل سے بے رغبتی کے سبب آپ ﷺ پر معاشرے میں سماجی تبدیلی کی فکر غالب رہتی۔اللہ تعالیٰ نے سورۃ المزمل میں آپ ﷺ کے ساتھ اندازِ لطف و کرم اختیار کیا اور قیام اللیل کے حکم کے ذریعہ صلاحیت پیدا کی۔اب یہ عرصہ گزر جانے کے بعد آپ ﷺ کو اعلانیہ لوگوں کو دعوت دینے کا حکم دیا گیا۔آپ ﷺ اس سے قبل مخالفین کے ردِ عمل کا سامنا کر چکے تھے۔اس وجہ سے جب اعلانیہ تبلیغ[1] کا حکم ہوا تو فکر مندی میں اضافہ ہونا فطری تھا۔اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے پھر سے وہی اندازِ خطاب اپنایا اور يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ[2] کے الفاظ سے مخاطب کیا۔اس خطاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سورۃ المزمل کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور اس پر معاشرے کے ردِ عمل کا سامنا کرنے کے نتیجہ میں آپ ﷺ کو اس ذمہ داری کی ادائیگی کا ادراک ہو چکا تھا۔لہٰذا آپ ﷺ کو قُمْ فَأَنْذِرْ[3] کا حکم ہوا۔اس حکم کی شدت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آپ ﷺ اس کام کی بجاآوری کے لیے میدانِ عمل میں آئیں جس کے لیے آپ ﷺ کے اندر استعداد پیدا کی گئی تھی۔اس خطاب سے آپ ﷺ کی شخصیت میں عزم و ہمت کے اصول کی نشاندہی ہوتی ہے۔قُمْ فَأَنْذِرْ[4] کا تعلق إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا[5] کے ساتھ ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی شخصیت میں عظیم کام کی استعداد پیدا ہو جانے کے بعد احساسِ ذمہ داری کو اجاگر کرنا متوازن شخصیت کی تعمیر و تشکیل کا اصول ہے۔

توحید:

انسانی شخصیت کی متوازن تشکیل کے لیے اس کا فکری بحران سے پاک ہونا ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو غور و فکر کی صلاحیت عطا کی۔اسی کے ساتھ اپنی تعلیمات کے ذریعہ رہنمائی کا اہتمام کیا تاکہ انسانی شخصیت کی بنیاد

---

1 سورۃ المدثر:2

2 سورۃ المدثر:1

3 سورۃ المدثر:2

4 سورۃ المدثر:2

5 سورۃ المزمل:5

تعلیماتِ ربانی پر ہو۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے انسانیت کی رہنمائی اللہ تعالیٰ کے احکامات کی روشنی میں کی۔ان تعلیمات میں اولین ترین تعلیم کا مقصد انسانی افکار کا توحید پر کاربند ہونا تھا۔رسول اللہ ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے توحید کے اعلان اور دعوتِ عام کا حکم دیا۔ چنانچہ سورۃ المدثر میں ارشاد فرمایا:

﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾1

ترجمہ: اور اپنے پروردگار کی بڑائی کرو۔

رسول اللہ ﷺ اس حکم کی تعمیل میں کوہِ صفا پر آئے اور قریش کو مخاطب کر کے پوچھا "اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک حملہ آور فوج چلی آرہی ہے تو کیا تم مجھ پر اعتماد کرو گے ؟" "ہاں کیوں نہیں ہم نے تم کو ہمیشہ سچ بولتے پایا ہے۔" "تو پھر میں کہتا ہوں کہ خدا پر ایمان لاؤ اے بنو عبد المطلب، اے بنو عبد مناف، اے بنو زُہرا، اے بنو تمیم، اے بنو مخزوم، اے بنو اسد ! ورنہ تم پر عذاب آئے گا۔"2 رسول اللہ ﷺ نے اعلانیہ اپنے پروردگار کی بڑائی لوگوں کے سامنے پیش کی تاکہ وہ قبول کریں۔اس کا مقصد اُس معاشرے میں سماجی تبدیلی کی بنیاد ڈالنا تھا جو کہ توحید کے ذریعہ ممکن تھی۔ توحید پرستی متوازن شخصیت کا وصف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا سب سے پہلے لوگوں کو توحید کی طرف بلانے کا مقصد انھیں فکری ارتجاع سے باہر نکالنا تھا۔آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر جن لوگوں کو دعوت دی اس کا ردِ عمل مخالفت اور طعن کی صورت میں تھا۔ یہ بات مشرکینِ مکہ کے فکری جمود کا شکار ہونے کی دلیل تھی جبکہ توحید انسانی شخصیت میں وسعت پیدا کرتی ہے۔ایک بت پرست معاشرے میں بت شکن توحید کا اعلان کرنا باطل قوتوں سے لڑائی مول لینے کے مترادف تھا لیکن اللہ کے رسول ﷺ معاشرے کی اس ضرورت سے آشنا تھے جس کے لیے توحید کا اعلانِ عام کیا۔ اجتماعی طور پر معاشرے کے ہر فرد کی شخصیت کی تعمیر کی ضرورت تھی۔ سیرت النبی ﷺ کی عملی مثال سے قرآن حکیم کے توحید کے اصول کی بنیاد پر شخصیت کی مثبت تعمیر ہوتی ہے۔توحید پر مبنی عقائد و نظریات انسان کو معاشرے میں انسانی بنیادوں پر اہمیت دینے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

1سورۃ المدثر:3

2نعیم صدیقی، محسنِ انسانیت، ص:150، میاں سنز پریس لاہور، 2001ء

دامنِ دل کی پاکی:

سورۃ المدثر کی آیت کی ترتیب پر غور کیا جائے تو قرآن کریم کی بلاغت کا اندازہ ہوتا ہے کہ کس حسنِ تنظیم سے اللہ تعالیٰ نے انسانی تربیت کے نظام کو ترتیب دیا۔ اثباتِ توحید کے اعلان کے بعد طہارت کا حکم دیا۔ متوازن شخصیت کی نمایاں پہچان ظاہری اور باطنی پاکیزگی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾[1]

ترجمہ: اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔

لفظِ ثیاب، ثوب کی جمع ہے جس کے معنی کپڑے کے ہیں۔ بظاہر اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو کپڑوں کی پاکی رکھنے کا حکم معلوم ہوتا ہے لیکن شخصیت کی تعمیر کے لیے اس سے مراد انسان کا باطن بھی ہو سکتا ہے۔ انسان چونکہ جسم، قلب اور روح کا مجموعہ ہے۔ اس کا ظاہر باطن کا عکاس ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ باطن کی پاکیزگی کا درس تعمیرِ شخصیت کے اصول کے طور پر دیا اور اس سے اپنے پہلو اور دامن کی پاکیزگی بھی مراد لی جا سکتی ہے۔ اسی طرح نفسیاتی خرابیوں سے بھی پاک ہونا مراد لیا جا سکتی ہے جیسے کہ غصہ اور جذباتی رویہ سے پاک ہونا۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی شخصیت افکار، اعمال اور اخلاق کی اعلیٰ نمونہ تھی۔ آپ ﷺ کو جو ذمہ داری دی گئی اس کے ردِ عمل پر آپ ﷺ کو پاکیزگی اختیار کرنے کو کہا گیا۔ گویا آپ ﷺ کی شخصیت اہمیت کی حامل تھی۔ آپ ﷺ نے دعوتِ حق کے لیے خاندانِ عبدالمطلب کو کھانے پر بلایا۔ اس مجلس میں حمزہ، ابو طالب اور عباس جیسے لوگ شریک تھے۔ کھانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں جس پیغام کو لے کر آیا ہوں یہ دین اور دنیا دونوں کا کفیل ہے۔[3] اس واقعہ کا ردِ عمل افسوس کن تھا۔ حضرت علیؓ کے علاوہ کسی نے آپ ﷺ کی بات کو قبول نہ کیا۔ گویا آپ ﷺ ہر طرح سے کوشش تو کر رہے تھے لیکن مناسب نتیجہ دیکھنے کو نہیں مل رہا تھا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ بد دل نہیں ہوئے۔ آپ ﷺ کو وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ کے تحت اپنی شخصیت کو بہترین اصولوں پر قائم رکھنے کو کہا گیا۔ انسان پر ماحول

---

[1] سورۃ المدثر: 4

2 سندھی، قرآنی شعور انقلاب، ج: 2، ص: 266

[3] صدیقی، محسنِ انسانیت، ص: 151

کے اجتماع کا اثر پڑتا ہے جس کی وجہ سے بامقصد انسان کے اپنے اصل مقصد سے ہٹ جانے اور اجتماعِ عام میں مل جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اس لیے سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اس آیت سے شخصیت کی بنیادوں کو پاکدامنی پر استوار رکھنے کا اصول مستنبط ہوتا ہے۔ طہارت کے اس اصول کی وضاحت اگلی آیت میں کی گئی ہے۔

دامنِ دل کی نجاست سے حفاظت:

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کو انسانیت کے لیے مثال بنایا گیا۔ سورۃ المدثر مثالی شخصیت کی تشکیل میں کردار ادا کرنے والی ہیں۔ انسانیت کو ان آیات کی عملی صورت رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کی صورت میں دکھائی گئی۔ آپ ﷺ کو انسانی معاشرے میں سماجی تبدیلی کے کام پر مامور کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کو حالات کے مطابق تربیتی تعلیمات بھی دی جارہی تھیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾[1]

ترجمہ: اور ناپاکی سے دور رہو۔

لفظِ رُّجْزَ کا استعمال ایسی گندی چیز کے لیے ہوتا ہے جس سے انسانی طبیعت متنفر ہوتی ہو چاہے وہ ظاہری گندگی ہو یا باطنی نجاست ہو۔ سابقہ آیت میں پاکی اختیار کرنے کے حکم کے تناظر میں اس آیت کی تعلیمات کو دیکھا جائے تو یہاں ناپاکی یا گندگی سے مراد شرک ہے۔ شرک باطنی نجاست ہے۔ سیرت النبی ﷺ کے تناظر میں غور کیا جائے تو بھی ممانعتِ شرک کا درس معلوم ہوتا ہے۔ اس آیت سے توحید اور باطن کے شرک سے حفاظت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کا کام مشرکینِ مکہ کو شرک کی گندگی اور دیگر معاشرتی خرابیوں کو نکالنا تھا تاکہ ان کی شخصیت کی متوازن تعمیر کی جاسکے۔ شرک کے اثرات نے مشرکینِ مکہ کے افکار کو خراب کر دیا تھا جس کی وجہ سے ان کے اعمال اور اخلاق بگڑ چکے تھے۔ یوں پورا معاشرہ تباہی کا شکار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے تحت مشرکینِ مکہ کو باور کروایا کہ شرک کو ترک کردو کیونکہ مشرکینِ مکہ کی حرکتوں کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد شرک پر قائم رہنے کے انجام کو واضح انداز میں بیان کیا۔

---

[1] سورۃ المدثر: 5

احسان اور بے نیازی:

انسانی معاشرے میں سماجی تبدیلی کے لیے اُسوہِ رسول ﷺ بہترین رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ دیگر احکام کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کو تربیت کے اصول بھی فراہم کیے جا رہے تھے۔ یہ انسانی شخصیت کی تعمیر کا وہ جامع انتظام تھا جو تعمیرِ شخصیت کے تقاضوں کے عین مطابق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المدثر کے تعمیرِ شخصیت کے طریقہِ کار کی جامعیت کو برقرار رکھتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ﴾[1]

ترجمہ: اور (اس نیت سے) احسان نہ کرو کہ اس سے زیادہ کے طالب ہو۔

انسانی شخصیت کی تعمیر و تشکیل کا ایک قیمتی حصہ اخلاقی آبیاری بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیت کے ساتھ ربط قائم رکھتے ہوئے آپ ﷺ کو اخلاقی تعمیر کے اصول بھی دیے۔ رسول اللہ ﷺ مشرکینِ مکہ کو دعوت کا فرض ادا کر رہے تھے۔ مشرکینِ مکہ کے مخالفت پر مبنی ردِ عمل پر آپ ﷺ کا رنجیدہ ہونا فطری تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فیاضی اختیار کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کو اپنا کام اسی طرح جاری رکھنے کا حکم دیا جانا متوازن شخصیت کی تعمیر کے لیے احسان اور بے نیازی کا اصول فراہم کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بلند پایہ مقاصد کی متحمل شخصیت مشکلات اور مخالفت پر اپنا فرض چھوڑتی نہیں بلکہ اپنی محنت جاری رکھتی ہے۔ سیرت النبی ﷺ کی رو سے غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس کام کو کر رہے تھے وہ انسانیت پر احسان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حکم دے کر یہ تربیت کی کہ جدوجہد پر مامور شخص کوشش اور محنت کے بعد مقصد کو ترک کرنے کا متحمل نہیں ہوتا۔ اس کا فیصلہ ذمہ داری عائد کرنے والے نے کرنا ہے۔ اس معلوم ہوتا ہے کہ متوازن شخصیت عزم بالجزم کے وصف کی حامل ہوتی ہے جس کی بہترین مثال رسول اللہ ﷺ نے پیش کی۔

صبر و استقامت:

جس طرح سورۃ المدثر کی سابقہ آیت ایک خاص ترتیب کی ساتھ انسانی شخصیت کی تعمیر کے اصول دیتی ہوئی آرہی ہیں اس ترتیب کو برقرار رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے انسانی شخصیت کی متوازن تعمیر کا ایک مزید اصول دیا۔ رسول

---

[1] سورۃ المدثر: 6

اللہ ﷺ کی زندگی کے تناظر میں دیکھا جائے تو آپ ﷺ مشرکینِ مکہ میں سماجی تبدیلی لانے کے لیے کوشاں تھے۔ آپ ﷺ کی یہ جدوجہد اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو مانتے ہوئے آپ ﷺ نے مشرکینِ مکہ کے لیے محنت کی۔ زندگی کا طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ آپ ﷺ کو اس سے پہلے والی آیت میں محنت جاری رکھنے کو کہا گیا تو اس کے فوراً بعد صبر کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾[1]

ترجمہ: اور اپنے پروردگار کے لئے صبر کرو۔

رسول اللہ ﷺ طویل عرصہ سے انسانیت کی اصلاح کے کام میں مصروف تھے۔ آپ ﷺ کو مخالفین کے ردِ عمل کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی کوشش جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ صبر واستقامت کا حکم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو پہلے ہی خبردار کر دیا کہ اپنے کام کو کافی سمجھ کر چھوڑنا نہیں ہے بلکہ صبر واستقامت کے ساتھ اپنی جدوجہد جاری رکھنی ہے چنانچہ اس آیت سے متوازن شخصیت کی تعمیر کے لیے صبر واستقامت کا اصول مستنبط ہوتا ہے۔ انسانی شخصیت کی فکری، عملی اور اخلاقی تعمیر کے انداز کو سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات میں جس طرح بیان کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فکری اور عملی طور پر شخصیت سازی کرنے کے بعد صبر واستقامت متوازن شخصیت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اگر انسانی شخصیت کو صبر واستقامت کے روحانی وصف سے مستفیض نہ کیا جائے تو اس سے قبل فکری اور عملی طور پر کی گئی شخصیت سازی کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

ایمان بالآخرۃ کی اہمیت:

رسول اللہ ﷺ نے معاشرتی اصلاح کی محنت کو بخوبی سرانجام دیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات میں انتہائی لطیف انداز میں مشرکینِ مکہ کی اصلاح کے لیے اصول فراہم کیے لیکن آپ ﷺ کی دعوت پر مشرکین کا ردِ عمل ان کی فکری کیفیت کا عکاس تھا۔ مشرکینِ مکہ کی مخالفت کا سبب آخرت پر ایمان نہ ہونا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو شخصیت کی بہتری اور مقصد کو کامیاب بنانے کے لیے ابتدائی آیات میں طہارت، احسان اور صبر واستقامت جیسے

[1] سورۃ المدثر: 7

اوصاف کے حکم کے ساتھ مستفیض کرتے ہوئے یکسر اندازِ بیان بدلا۔ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ ان کافروں کو انجام کی اطلاع کر دیں اور پھر احسن انداز میں اس معاشرے کے کردار کا تجزیہ ان الفاظ کے ساتھ پیش کیا:

﴿فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا وَبَنِينَ شُهُودًا وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا﴾[1]

ترجمہ: جب صور پھونکا جائے گا وہ دن مشکل کا دن ہو گا (یعنی) کافروں پر آسان نہ ہو گا ہمیں اس شخص سے سمجھ لینے دو جس کو ہم نے اکیلا پیدا کیا اور مال کثیر دیا اور (ہر وقت اس کے پاس) حاضر رہنے والے بیٹے دیئے اور ہر طرح کے سامان میں وسعت دی ابھی خواہش رکھتا ہے کہ اور زیادہ دیں ایسا ہر گز نہیں ہو گا۔ یہ ہماری آیتیں کا دشمن رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو قرآن کریم بطورِ معجزہ دیا گیا۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نشانی ہے جس کا مخاطب ساری انسانیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر مشرکینِ مکہ نے جس ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا اُس پر اللہ تعالیٰ نے پہلے مثبت انداز میں آیات اتاریں تاکہ لوگ مان جائیں۔ جب مثبت انداز سے بات نہ بنی تو اللہ تعالیٰ نے اُسی پیغام کا منفی پہلو بھی واضح کیا کہ اگر نہیں مانو گے تو روزِ حساب کے لیے تیار رہو۔ مشرکینِ مکہ چونکہ منکرینِ آخرت تھے جس کی وجہ سے فکری طور پر آخرت اور سزا و جزا کے تصور کو ماننے کو تیار نہیں تھے۔ اسی لیے وہ لوگ قرآن حکیم کو جادو قرار دیتے تھے۔

مفسرین کرام نے درج بالا آیت کا مخاطب ولید بن مغیرہ مراد لیا ہے[2] لیکن دراصل یہ آیات کسی خاص شخص کو نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کو جس معاشرے کا سامنا کرنا پڑا تھا اس معاشرے کی فکری کیفیت کی عکاسی کر رہی ہیں۔ اس فکری کیفیت کا سبب مالی استحکام تھا جو کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان آیات میں انسانی مزاج میں سختی کا ایک سبب کثرتِ اولاد بھی تھی۔ مشرکینِ مکہ کا ان سب انعامات کے باوجود مزید نعمتوں کا خواہاں ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کی تخریب شدہ شخصیت میں قناعت اور شکر کے بجائے لالچ غالب رہتا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی میں سرمایہ پرستی اور مال و متاع کی محبت فکری طور پر فطرتِ سلیمہ پر اثرانداز ہوتی ہے جس سے انسان اخلاقی تنزلی کا شکار ہو کر متوازن شخصیت کی تشکیل کے مراحل کو فراموش کر

---

[1] سورۃ المدثر: 8-16

[2] اصلاحی، تدبر قرآن، ج: 9، ص: 49

دیتا ہے۔ لہٰذا متوازن شخصیت کی تشکیل کے لیے آخرت پر ایمان ہونا اور احساسِ جوابدہی کے تحت اعمال کی درستگی میں توازن ایک خاص اصول ہے۔

تزکیہ نفس

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق میں روح کا مادہ بھی رکھا۔ انسان کو نیکی اور بدی دونوں کی راہ بتائی اور ساتھ ہی ان کے نتائج سے بھی آگاہ کیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے سورۃ المدثر کی آیات میں بیان کیا۔ انسان کی روحانی تعمیر کے لیے تزکیہ نفس ضروری ہے۔ سورۃ المدثر ہی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿سَأُرۡهِقُهُۥ صَعُودًا ﴾[1]

ترجمہ: ہم اسے صعود پر چڑھائیں گے۔

انسانی شخصیت جب تخریب کا شکار ہوتی ہے تو اس کے افکار، اعمال اور اخلاق میں توازن برقرار نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا۔ یہ اہلِ مکہ پر انعام تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ مشرکینِ مکہ مال و اسباب کے مالک تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس معاشرے کا فخر کثرتِ اولاد نرینہ بھی تھی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اولادوں سے بھی نوازا تھا۔ اس معاشرے میں دو طاقتیں سرگرم عمل تھیں۔ ایک وہ طاقت جو اللہ تعالیٰ کی منشاء کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ حق کی صورت میں تھی جبکہ دوسری طاقت مشرکینِ مکہ کی باطل پرستی پر مبنی مزاحمتی طاقت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المدثر کی ابتدائی آیت میں پہلی طاقت جو اصلاحِ معاشرہ پر کام کر رہی تھی ان کے اوصاف بیان کر کے ان کی رہنمائی کی۔ اس کی بعد دوسری طاقت مشرکینِ مکہ میں سے کسی کا نام لیے بغیر پورے معاشرے پر اپنے انعامات اور احسانات کو گنوایا اور اس کے بدلے مشرکینِ مکہ کے ردِ عمل پر وعید و عذاب کو بیان کیا۔

لفظِ "ارھاق" کے معنی مشقت میں ڈالنے کے ہیں جبکہ "صعود" ایسی چوٹی کو کہتے ہیں جس کو سر کرنا مشکل ہو۔[2] سورۃ المدثر کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفرانِ نعمت اخروی زندگی میں باعثِ عذاب ہے۔ مشرکینِ

[1] سورۃ المدثر: 17

2 عثمانی، مفتی شفیع، تفسیر معارف القرآن، ج: 8، ص: 589 مکتبہ المعارف کراچی، 2008ء

مکہ کی شخصیت کے فکری اور روحانی پہلو پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی شخصیت کے کفرانِ نعمت کے ارتکاب اور تکبر کا سبب تزکیہِ نفس کا نہ ہونا ہے۔اس آیت میں سیرت النبی ﷺ کے تاریخی تناظر اور آپ ﷺ کی اعلانیہ دعوت کے زمانہ کو سامنے رکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ متوازن شخصیت کی تعمیر میں تزکیہِ نفس انتہائی اہم جزو ہے۔ تزکیہِ نفس نہ ہونے کے سبب انسانی شخصیت میں روحانی بیماریاں جنم لیتی ہیں جو شخصیت کو متوازن خطوط پر پروان نہیں چڑھنے دیتیں۔

عاجزی

عاجزی انسانی شخصیت کا وہ وصف ہے جو انسان کے اندر قبولیت کا احساس پیدا کرتی ہے۔ تکبر اس کی ضد ہے جو انسانی شخصیت کے اندر رجعت پسندی اور جمود کو جنم دیتی ہے۔انسان کی روحانی آبیاری متوازن انداز میں نہ کی جائے تو اس میں تکبر جیسی برائی جنم لیتی ہے جو حق بات کو تسلیم کرنے کی صلاحیت ختم کر دیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے ردِ عمل کے طور پر مشرکینِ مکہ نے تکبر کیا اور اس کی مخالفت کے لیے اپنائے جانے والے انداز پر اللہ تعالیٰ نے انجام سے خبر دار کیا چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ فَقَالَ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾[1]

ترجمہ: اس نے فکر کیا اور تجویز کی یہ مارا جائے اس نے کیسی تجویز کی پھر یہ مارا جائے اس نے کیسی تجویز کی پھر تامل کیا پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا پھر پشت پھیر کر چلا اور (قبول حق سے) غرور کیا پھر کہنے لگا کہ یہ تو جادو ہے جو (اگلوں سے) منتقل ہوتا آیا ہے (پھر بولا) یہ (خدا کا کلام نہیں بلکہ) بشر کا کلام ہے۔

ان آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی شخصیت کی مناسب تعمیر کا اہتمام نہ کرنے کی وجہ سے تکبر ایسی صورت اختیار کر جاتا ہے کہ انسان ارادی طور پر غور و فکر کر کے حق بات کے غلط تعبیرات کرتا ہے اور علم و عقل سے غلط استنباط کرتا ہے اور اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے اور کسی کی بات ماننے کو تیار نہیں ہوتا۔ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مکہ کے لوگوں کی شخصیت کے عیوب کو جامع انداز میں بیان کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب انسان

[1] سورۃ المدثر: 24-18

زوال کا شکار ہوتا ہے تو تکبر کی ابتدائی حالت جائز بات کا تمسخر اڑانا ہوتا ہے۔ اس کے بعد تکبر اور حسد زبان درازی کی صورت اختیار کرتے ہیں اور بالآخر انسانی شخصیت کی یہ تنزلی جبر کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی شخصیت کی تعمیر کا جامع پہلو وہی ہو سکتا ہے جو انسانی شخصیت کی فکری، عملی اور اخلاقی تعمیر کا کام متوازی طور پر کرے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے معاشرے میں انسانی شخصیت کی تعمیر انھی اصولوں کے مطابق کر رہے تھے۔ گویا ان آیات میں انسانی شخصیت کی تخریب شدہ حالت کا فکری تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ لہٰذا سیرت النبی ﷺ کے زمانہ کے تناظر کو سامنے رکھتے ہوئے ان آیات کی روشنی میں انسانی شخصیت کا عجز و انکساری سے مزین ہونا تعمیرِ شخصیت کے اصول کے طور پر سامنے آتا ہے۔

نفسانی اصلاح:

انسان افکار کی حامل تخلیق ہے جس پر اکثر افکار کے اثرات ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی شخصیت کی تعمیر کے لیے جو طریقے متعین کیے ان میں سے ایک طریقہ نفسیاتی طریقہِ اصلاح بھی ہے۔ جہاں انسان کو عقل دے کر دیگر مخلوقات سے ممتاز بنایا گیا وہیں جسمانی طور پر یہ نحیف ترین تخلیق ہے۔ تاریخِ انسانی پر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسانی شخصیت پر ہمیشہ کسی نہ کسی چیز کے خوف کا اثر رہا ہے۔ اسی انداز کو اپناتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی شخصیت کی بہتری کے لیے اسے اُخروی زندگی سے ڈرایا بھی ہے تاکہ انسان اپنی دنیاوی زندگی کو درست طریقے سے گزار سکے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ﴾[1]

ترجمہ: اور تم کیا سمجھے کہ سقر کیا ہے؟

﴿لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ﴾[2]

ترجمہ: (وہ آگ ہے کہ) نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی۔

﴿لَوَّاحَةٌ لِلْبَشَرِ﴾[3]

---

1 سورۃ المدثر: 27

2 سورۃ المدثر: 28

3 سورۃ المدثر: 29

ترجمہ: اور بدن جھلس کر سیاہ کر دے گی۔

﴿عَلَيۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ﴾

ترجمہ: اس پر اُنیس داروغہ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے دعوتی طریقۂ کار میں ابتدائی طور پر دعوت ہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ آیات دیں جن میں جہنم کے عذاب کی شدت کا تذکرہ ہے تاکہ آپ ﷺ لوگوں کو اس حالت سے ڈرائیں جس کے سبب ان کا معاشرہ تباہی کا شکار ہے اور اس کے اُخروی نتائج سے بے پرواہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ مسلسل اپنے فرائض ادا کر رہے تھے جبکہ مشرکینِ مکہ انکار اور مخالفت پر ڈٹے ہوئے تھے۔ ان آیات سے منکرین اور مخالفینِ حق کی اصلاح اور تربیت کے لیے نفسیاتی طریقۂ تربیت بطورِ اصول مستنبط ہوتا ہے۔ اس کی عملی صورت یہ ہے کہ انسان کی شخصیت سازی کے لیے اپنائے جانے والے اصولوں کے فوائد اور نقصان انسان کو بتائے جائیں تاکہ اس کی نفسیات پر اس کا اثر ہو اور متوازن شخصیت کی تشکیل کے اصولوں کو اپنانا آسان ہو۔

امتحان:

کسی بھی نتیجہ خیز کام میں امتحان کا مرحلہ لازمی ہوتا ہے۔ اس کا مقصد خالص اور ناقص کو الگ کرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اجتماع کی شخصیت کی اصلاح کے لیے نیکی اور بدی کا علم واضح کیا اور پھر قسم کھا کر انسانی فکر میں ان کے نتائج اور اثرات کو مستحکم کیا تاکہ انسان کی اصلاح ہو سکے۔ رسول اللہ ﷺ کو لوگوں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا۔ جب آپ ﷺ لوگوں کو ڈرا چکے تو اللہ تعالیٰ نے منکرین اور مخالفین کی تنبیہ کے لیے قسم کھا کر دوزخ کی ہولناکی کو انسانی نفسیات پر ڈالا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كَلَّا وَالْقَمَرِ﴾[1]

ترجمہ: ہاں ہاں (ہمیں) چاند کی قسم۔

﴿وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ﴾[2]

ترجمہ: اور رات کی جب پیٹھ پھیرنے لگے۔

﴿وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ﴾[3]

ترجمہ: اور صبح کی جب روشن ہو۔

﴿إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ﴾[4]

ترجمہ: کہ وہ (آگ) ایک بہت بڑی (آفت) ہے۔

﴿نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ﴾[5]

ترجمہ: (اور) بنی آدم کے لئے موجب خوف۔

ان آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعوتِ حق دیتے رہے اور اصلاحِ معاشرہ کی کوشش کرتے رہے اور دعوت قبول نہ کرنے کی صورت میں معاشرے پر آنے والے منفی اثرات سے ڈراتے رہے۔[6] اللہ تعالیٰ نے آخرت کی سختیوں سے ڈرانے کے بعد اس بات کی صداقت پر مہر ثبت کرنے کے لیے ایک ساتھ تین قسمیں کھا کر منکرین اور متکبرین کو تنبیہ کی۔ مشرکینِ مکہ آخرت پر ایمان لانے سے عاری تھے۔ اسی وجہ سے وہ احساسِ جوابدہی کے انکار کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر مشرکینِ مکہ کو آزمائش میں ڈال دیا۔ دوسری طرف ان قسموں کا نتیجہ اہلِ ایمان کے ایمان کو تقویت دینا تھا۔ آپ ﷺ کی جماعت مسلسل مظالم کا شکار تھی۔ ان آیات کے ذریعہ ان میں ثابت قدمی کی استعداد پیدا کی گئی۔

---

1 سورۃ المدثر: 32

2 سورۃ المدثر: 33

3 سورۃ المدثر: 34

4 سورۃ المدثر: 35

5 سورۃ المدثر: 36

6 سندھی، قرآنی شعور انقلاب، ج: 2، ص: 290

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح کسی بھی نتیجہ خیز کام کے لیے امتحان ضروری ہے اسی طرح شخصیت کی تعمیر کے لیے انسان کا امتحان اور آزمائش کے مراحل سے گزرنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں سورۃ المزمل کے زمانہ پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن کو اصلاحِ معاشرہ کے لیے بھیجا گیا انھیں بھی ایک خاص انداز کے امتحان سے گزارا گیا۔ اس لیے تعمیرِ شخصیت کے لیے جو بھی طریقہ کار ہو گا اس میں امتحان کے مرحلہ سے گزر کر ہی متوازن شخصیت کی تشکیل اور تکمیل ممکن ہے۔

احساسِ جوابدہی:

انسان کی شخصیت کی متوازن تعمیر و تشکیل کے لیے احساسِ جوابدہی ضروری ہے۔ احساسِ جوابدہی آخرت پر ایمان کے ذریعہ ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جن مقاصد کے لیے دنیا میں بھیجا ان میں سے ایک آخرت پر ایمان اور اعمال کی جوابدہی کا استحضار بھی تھا۔ مشرکینِ مکہ احساسِ جوابدہی سے عاری تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ﴾[1]

ترجمہ: ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گرو ہے۔

مشرکینِ مکہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کا سبب ہٹ دھرمی، اپنے آپ کو درست شمار کرنا اور آنے والی معاشرتی تبدیلی سے بے پرواہ ہونا تھا۔ اسی وجہ سے اخروی زندگی کا مکمل انکار کرتے تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ مشرکینِ مکہ اپنی معاشرتی زندگی میں جن خرابیوں میں مبتلا تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ کرنے کے لیے کہا کہ ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ یہ آیت احساسِ جوابدہی کا اصول فراہم کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ متوازن اصولوں پر تعمیر شدہ شخصیت میں جوابدہی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے جس کی بدولت اس کے اعمال میں درستگی او رعمدگی آتی ہے۔ اس آیت میں جوابدہی کا پہلو بیان کر کے اگلی آیت میں اس جوابدہی کا پابند صرف تخریب شدہ شخصیت پر لازم قرار دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس اصلاح شدہ شخصیت کو جوابدہی سے بَری کر دیا گیا ہے۔ اسی کے

[1] سورۃ المدثر: 38

ساتھ ساتھ غیر تعمیر شدہ شخصیت کے انجام کے اسباب کو بیان کر کے غیر متوازن شخصیت کے پیمانے کو بھی واضح کر دیا گیا ہے۔

تخریبِ شخصیت سے بچاؤ کے اصول:

تعمیرِ شخصیت انسان کی ترجیحات میں سے ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں انسانی شخصیت کی تخریب شدہ حالت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اسباب بھی بیان کیے۔ سیرت النبی ﷺ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو مشرکینِ مکہ کی تعمیرِ شخصیت کے ذریعہ اصلاحِ معاشرہ کا کام کرنا تھا۔اس دعوتی دور میں قرآن کریم کا نزول بھی ساتھ ہی ہو رہا تھا۔اس وقت قرآن کریم اور آپ ﷺ کا مخاطب مشرکینِ مکہ تھے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں ان کی اصلاح کا اہتمام کیا وہیں ان کی بداعمالیوں کے سبب ان کے انجام کو بیان کرتے ہوئے شخصیت کی تباہی کے اسباب کو بھی بیان کیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ﴾[1]

ترجمہ: وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔

﴿وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ﴾[2]

ترجمہ: اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے۔

﴿وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ﴾[3]

ترجمہ: اور اہل باطل کے ساتھ مل کر (حق سے) انکار کرتے تھے۔

﴿وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ﴾[4]

ترجمہ: اور روز جزا کو جھٹلاتے تھے۔

---

1 سورۃ المدثر:43

2 سورۃ المدثر:44

3 سورۃ المدثر:45

4 سورۃ المدثر:46

﴿حَتَّىٰٓ أَتَىٰنَا ٱلۡيَقِينُ﴾[1]

ترجمہ: یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہنم میں جانے والوں کے جواب کو بیان کیا جس سے مشرکینِ مکہ کے اعمال کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان بداعمالیوں کا اطلاق صرف مشرکینِ مکہ کے لیے نہیں بلکہ یہ آیات تمام انسانیت کے لیے ہیں۔ ان مشرکینِ مکہ کی مثال بیان کر کے انسانیت کو آگاہ کیا گیا ہے کہ جہنم میں جانے کا سبب نماز قائم نہ کرنے کی صورت میں ہے۔ نماز کا عدم قیام دراصل اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ احکامات کا انکار کرنا ہے جس کی وجہ سے انسان اس ذات کی حاکمیت کا بھی منکر ہو جاتا ہے۔ جب انسان تعلق باللہ کا منکر ہوتا ہے تو پھر انسان میں دوسروں کا احساس اور ان کی ضروریات پر توجہ ختم ہو جاتی ہے۔ یوں انسانی شخصیت ایک قسم کی مردہ شخصیت بن جاتی ہے جس کا تعلق حاکم اعلیٰ اور انسانی سماج سے ختم ہو جاتا ہے۔[2]

ان آیات کو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے تناظر میں پرکھا جائے تو ان آیات سے قرآن کریم کے جامع قرآنی معاشرے کی تشکیل کے اصولوں کا تعین ہوتا ہے کہ ایک طرف انسان حاکم اعلیٰ کا مطیع ہوتا ہے اور دوسری طرف اسی حاکم کی پیدا کردہ مخلوقات کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آتا ہے۔ اسی طرح ان آیات سے انسان کی متوازن اور غیر متوازن شدہ شخصیت کا بہترین تجزیہ سامنے آتا ہے جو تعمیرِ شخصیت کے ایسے اصول فراہم کرتا ہے جو متوازن شخصیت کی تشکیل میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

سفارش کا اصول:

قرآن کریم نے تعمیرِ شخصیت کے لیے سفارش تک کا اصول واضح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو خطاب کرتے ہوئے ان کی سفارش اور شفاعت کی بھی نفی کر دی۔ مشرکینِ مکہ اپنے باطل عقائد کی بنیاد پر اپنی شفاعت کی امید رکھتے تھے جس کی نفی اللہ تعالیٰ نے سورۃ المدثر میں ان الفاظ کے ساتھ کی:

﴿فَمَا تَنفَعُهُمۡ شَفَٰعَةُ ٱلشَّٰفِعِينَ﴾[3]

ترجمہ: (تو اس حال میں) سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کے حق میں کچھ فائدہ نہ دے گی۔

---

1 سورۃ المدثر: 47

2 سندھی، قرآنی شعور انقلاب، ج: 1، ص: 296

3 سورۃ المدثر: 48

مشرکینِ مکہ کے اعمال کی بنیاد پر انھیں جہنم کی وعید سنائی گئی۔اس کا سب اہلِ علم ہونے کے باوجود عمل سے روگردانی تھی۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آخرت میں شفاعت اور سفارش سے مستفید ہونے کے لیے آخرت پر ایمان ہونے کے ساتھ ساتھ دنیاوی زندگی میں ان اعمال کا اہتمام کرنا ضروری ہے جن کے چھوڑنے کی وجہ سے منکرینِ حق کو آگ کے عذاب کا مستحق قرار دیا گیا۔اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں انسانی شخصیت کی باطنی کیفیت کا تذکرہ کیا ہے کہ مشرکین کو کیا ہوا کہ نصیحت قبول نہیں کرتے؟اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب انسانی شخصیت منظم اور مستحکم نہیں رہتی تو اس میں سے غور و فکر اور نصیحت قبول کرنے کی استعداد ختم ہو جاتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ﴾[1]

ترجمہ: گویا گدھے ہیں کہ بدک جاتے ہیں (یعنی) شیر سے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔

ان آیات میں انسان کی اس کیفیت کی عکاسی کی گئی ہے جو متوازن شخصیت کی تعمیر میں کردار ادا کرنے والے اصولوں کو ترک کرنے کے سبب پیدا ہوتی ہے۔جس طرح جانور کو موت کا خوف ہوتا ہے اور وہ بے ہنگم حرکتیں کرتا ہے بالکل اسی طرح جب انسان علم کے باوجود فکری، عملی اور اخلاقی انحطاط کا شکار ہوتا ہے تو اس کی کیفیت اسی جانور کی طرح ہوتی ہے جو موت کے خوف سے بدکنے لگتا ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ متوازن شخصیت ہی سفارش کی متحمل ہے۔

خشیتِ الٰہی:

متوازن شخصیت کی تعمیر کے لیے خشیتِ الٰہی وہ اصول ہے جو انسانی افکار، اعمال اور اخلاق میں توازن کو برقرار رکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ پر ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ صرف اسی سے ڈرا جائے۔اسی کی تعلیمات پر یقین رکھتے ہوئے اس کے بتلائے ہوئے احکامات پر عمل کیا جائے۔اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ کو بحیثیتِ شخصیت کی مثال سامنے رکھتے ہوئے انسان کی تخریب شدہ حالت کی مثال دی۔چناچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

[1] سورۃ المدثر: 51-52

﴿بَلۡ يُرِيدُ كُلُّ امۡرِىٍٕ مِّنۡهُمۡ أَنۡ يُؤۡتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً كَلَّا بَلۡ لَّا يَخَافُونَ الۡاٰخِرَةَ﴾[1]

ترجمہ: اصل یہ ہے کہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس کھلی ہوئی کتاب آئے ایسا ہر گز نہیں ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو آخرت کا خوف ہی نہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی وہ فطرت باور کروائی ہے کہ جس میں انسان کو آخرت کا یقین نہ ہونے کی وجہ سے عقل مشتعل ہو جاتی ہے اور انسان بد حواسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ انسان حجت پسندی اختیار کر لیتا ہے اور یوں ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس کے بر عکس متوازن شخصیت افکار میں اعتدال کی حامل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ہر شخص کو انفرادی طور پر ہدایت نامہ دینا مشکل نہیں لیکن عبدیت کا تقاضا ہے کہ نصیحتِ عام کو قبول کیا جائے۔ نصیحت کے قبول کرنے کی صلاحیت میں انسانی فکر اور اس میں اعتدال کا عمل دخل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آخرت پر یقین، خشیتِ الہیٰ اور تعلیماتِ الہیٰ کا استحضار ہونا متوازن شخصیت کی تشکیل کا اصول ہے۔

اس باب میں کی گئی تحقیق کی کوشش سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر فطرتِ سلیمہ رکھی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انسان غور و فکر اور استدلال کی صلاحیت سے مالا مال ہے جس کی بنیاد پر اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔ اس کام کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے اپنی اصلاح اور تعمیر کے عملی مضامین ملتے ہیں۔ تمام انسانیت مختلف قوموں اور معاشروں کی صورت میں آپس میں مربوط ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تعلیمات کے مطابق مختلف معاشروں میں موجود افراد کی شخصیت سازی نہ کی جائے تو معاشرے ٹھیک نہیں ہو پائیں گے۔ یوں انسانیت ہمیشہ مسائل کا شکار رہے گی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہتمامِ حجت کے لیے مہلت پوری ہونے پر پوری نوعِ انسانی عذاب کی لپیٹ میں آسکتی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ آج کے دور میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نشانی یعنی قرآن حکیم کی تعلیمات سے رسول اللہ ﷺ کے عمل کو دہراتے ہوئے افراد کی شخصیت کی تعمیرِ نو کی جائے۔

---

[1] سورۃ المدثر: 52-53

باب چہارم: سورۃ المزمل و سورۃ المدثر اور تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کی عصری تطبیق

فصل اول: سورۃ المزمل اور تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کی عصری تطبیق

فصل دوم: سورۃ المدثر اور تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کی عصری تطبیق

فصل اول: سورۃ المزمل اور تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کی عصری تطبیق:

اس کائنات کی درجہ بندی پر مبنی تقسیم اور بنیادی ذمہ داریوں پر غور کیا جائے تو ہر چیز کسی کام میں مصروفِ عمل دکھائی دیتی ہے۔ کائنات کی یہ مصروفیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان سب کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کوئی بھی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی۔ اسی طرح کائنات کی افضل ترین تخلیق انسان ہے۔ عالمِ وجود کا مصروفِ عمل ہونا مجبور کرتا ہے کہ اس نظام میں انسان کی مصروفیت اور مقصد کو پہچانا جائے۔ اگرچہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے علم اور ادراک سے نوازا ہے لیکن انسانی جبلتوں کی بنیاد پر یہ اکثر بامقصد راہ سے بھٹکتا رہا ہے۔ ایسی صورتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تعلیمات اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اس کی رہنمائی کی۔ اس کائنات میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات اصولوں کی بنیاد پر کار فرما عمل ہے۔ اس کا تغیر و تبدل اصولوں پر مبنی ہوتا ہے۔ اسی طرح انسانی زندگی میں تغیر و تبدل کے اسباب کے پیچھے اصول کار فرما ہوتے ہیں۔ یہ کائنات دن بدن وسعت اختیار کرتی ہے۔ ان اصولوں کا تقاضا ہے کہ انسانی زندگی شب و روز مصروف عمل رہے اور اپنی زندگی میں بھی وسعت اختیار کرتا رہے۔

جیسا کہ یہ دنیا دار العمل ہے۔ اس میں انسان کو آئے روز نت نئے مسائل کا سامنا رہتا ہے۔ اگرچہ انسان میں اپنے مسائل کو خود حل کرنے کی صلاحیت رکھی گئی ہے لیکن جب انسانی عقل اور تفکر کسی مسئلہ میں پھنس کر رہ جائے تو اسے آفاقی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاریخ انسانی میں اقوام کو اللہ تعالیٰ نے مسائل کے حل کے لیے اپنی تعلیمات بہم پہنچائیں لیکن سلسلۂ نبوت کے اختتام کا تقاضا تھا کہ آنے والی نوعِ انسانی کے لیے تعلیماتِ ربانی کا ایسا جامع نصاب فراہم کر دیا جائے جو قیامت تک انسانوں کی ہدایت ور ہنمائی کے لیے کافی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا بندوبست قران حکیم کی صورت میں کیا۔ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ یہ ہر دور کے مسائل کے حل کے سلسلے میں انسانوں کی رہنمائی کرتا رہا ہے اور ہر دور میں انسان اپنے مسائل کے حل کے لیے اس میں غور و فکر کرتا رہا۔ اس جامع ترین معجزہ کا تقاضا ہے کہ اس میں غور و فکر کرنے والے کی فکری زندگی اور عملی زندگی اس کے اصولوں کے مطابق ہو۔ عصرِ حاضر میں انسان نے کئی علوم وضع کر لیے۔ ان علوم میں تحقیق اور تسخیر کائنات کے عمل میں مشغول ہو کر انسان نے تعلیماتِ قرآنی کو فراموش کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں انسانی معاشرے کی بنیادیں قرآنی وآفاقی اصولوں سے منحرف ہونے کے سبب کمزور پڑ گئیں۔ موجودہ زمانے کے معاشرے کو درپیش مسائل کے اسباب پر غور کیا جائے تو ان مسائل کا بنیادی سبب انسانی

شخصیت معلوم ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے انسانی شخصیت کی تعمیر کا جو جامع درس دیا اس کے اصولوں کا استنباط کرتے ہوئے یہ ضرورت پیش آئی کہ تعمیرِ شخصیت کے قرآنی اصولوں کا از سرِ نو معاشرے میں انطباق کیا جائے۔ اس تحقیق کے ابتدائی حصہ میں قرآن حکیم کا تعمیرِ شخصیت کا جامع تصور پیش کرتے ہوئے سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر سے تعمیر شخصیت کے اصول نکالے گئے ہیں اور عصرِ حاضر میں تعمیرِ شخصیت کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے اس باب میں اُن اصولوں کی عصری تطبیق کی گئی ہے۔

فکر مندی:

سورۃ المزمل انسان کی شخصیت سازی میں کردار ادا کرنے کے اصول فراہم کرتی ہے۔ اس سورت میں مذکور تعمیرِ شخصیت کا اولین ترین اصول انسان میں فکر مندی کے وصف کا پیدا کرنا ہے۔ سورۃ المزمل کے نزول کے زمانہ کا تعین اس کے مضامین سے کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو نبوت سے نواز کر کچھ عرصہ آپ ﷺ کو اطمینان کرنے اور غور و فکر کرنے کا موقع دیا گیا۔ پہلی مرتبہ فرشتے کا سامنا کرنا عجیب معاملہ تھا جس سے آپ ﷺ خوفزدہ بھی ہوئے اور آپ ﷺ کو فکر بھی لاحق ہوئی۔ چالیس سال کی عمر میں نبوت ملنے سے پہلے کے زمانہ پر غور کیا جائے تو رسول اللہ ﷺ کی فطرتِ سلیمہ کا معاشرتی اور قومی زوال کے سبب فکر مند ہونا معلوم ہوتا ہے۔ معاشرتی طبقات اور کمزور افراد کے معاشرتی مسائل کی وجہ سے آپ ﷺ ہر وقت ان کے لیے فکر مند رہتے ہیں چنانچہ حلف الفضول کا معاہدہ ہوا اور اس میں یہ طے ہوا کہ آئندہ تمام لوگ مظلوم کا ساتھ دین گے اور ظالم کے خلاف کھڑے ہوں۔ اس کے معاہدے کے باوجود کچھ لوگ اس کی خلاف ورزی کرتے تھے اور مظلوم کے بجائے ظالم کا ساتھ دیتے تھے یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حلف الفضول کے بعد آپ ﷺ نے مظلوم اور کمزور طبقات کا ساتھ دینا شروع کر دیا اور ہر وقت اسی فکر میں رہتے۔ چنانچہ پہلی وحی کے نزول کے وقت جب آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لائے اور پورا واقعہ بیان کیا تو حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے یہی کہا کہ آپ ﷺ غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور ضرورت مندوں کی حاجت کو پورا کرتے ہیں۔[1] سورۃ المزمل کے پسِ منظر اور آپ ﷺ کی زندگی کے قبل از نبوت کے زمانہ سے سامنے آنے والا

---

1 نعمانی، علامہ شبلی، سیرت النبی ﷺ، ج:1، ص:139/ بخاری، کتاب الوحی، باب بدء الوحی حدیث:3

فکر مندی کا اصول یہ درس دیتا ہے کہ معاشرے کو متوازن انداز میں پروان چڑھانے کے لیے ایسی شخصیات کی ضرورت ہوتی ہے جو حقیقت پسند اور فطرت پسند ہو۔ مکہ کے اس تباہ حال معاشرے میں رسول اللہ ﷺ جیسی فکر مند شخصیت کا فکر مند ہونا وقت کے ساتھ ساتھ عظیم معاشرتی تبدیلی کا سبب بنا۔

عصرِ حاضر میں انسانوں کی زندگی کا مقصد اور مصروفیت کو دیکھا جائے تو افراد کی فکر مندی کے محور میں وسعت دکھائی نہیں دیتی۔ موجودہ معاشرے کے ہر شخص میں انفرادیت اور انفرادی مفادات کی فکر کا عنصر نظر آتا ہے۔ اجتماعِ عام کی فکری کیفیت کا محدود ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ آج کے معاشرے کے فرد کی شخصیت سازی میں کمی رہ گئی ہے۔ دوسری طرف ہمارے سامنے سیرت النبی ﷺ کے پسِ منظر کی روشنی میں سورۃ المزمل کا یہ اصول ہے جو پورے معاشرے میں سے صرف ایک شخص کی شخصیت کا حصہ تھا اور بہت بڑی معاشرتی تبدیلی کا ذریعہ بنا۔ اس لیے آج کے دور میں انسانی شخصیت کی تعمیر کے سلسلہ میں ہر عمر کے فرد کی ذات میں فکر مند رہنے کے پہلو کو اُجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

غور و فکر:

جیسا کہ انسان عقل، جسم اور روح کا مجموعہ ہے تو اسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی دی گئی ہے۔ اسی صلاحیت کا نتیجہ تھا کہ انسان ہر دور میں تسخیرِ کائنات کے کارنامے سرانجام دیتا رہا ہے۔ جو انسانی معاشرے متوازن انداز میں استوار تھے ان میں غور و فکر، تفکر و تدبر اور استدلال انسان کی شخصیت کا خاصا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ انسانی وجود ضعف کا شکار ہوتا رہا اور آج اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ جدید علوم کی بنیاد پر دنیا میں اپنا لوہا منوا رہا ہے لیکن انسانی شخصیت کی تعمیر اور معاشرتی مسائل اس کے بس سے باہر ہو گئے ہیں۔ عصرِ حاضر میں بہت سے مسائل کا سبب انسان کا اپنی غور و فکر کی فطری صلاحیت کو بھلا دینا اور استدلال کو چھوڑ دینا ہے۔ عصرِ حاضر میں اجتماعِ انسانی غور و فکر کو چھوڑ کر آباؤ اجداد کی تقلید کی راہ پر چل پڑا ہے۔ اس وقت معاشرے کا کسی چیز پر غور و فکر کیے بغیر اجتماعِ عام کو دیکھتے ہوئے پیروی کرنے لگ جانا اجتماعی رجحان بن چکا ہے۔ اس تحقیق کے سابقہ حصہ میں سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں سورۃ المزمل سے تعمیرِ شخصیت کے اصول سامنے آئے ہیں۔ ان اصولوں میں سے ایک اصول غور و فکر کا اصول ہے۔ سورۃ المزمل کے پسِ منظر کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو رسول اللہ ﷺ کی شخصیت میں اس وصف کو مستحکم کرنے کا

اہتمام اللہ تعالیٰ نے خود کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی تو یہ بات بھی ملحوظ رکھی کہ انسانی شخصیت میں سوال پیدا کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے۔ یہ محض تقلید کی راہ پر نہ چلے بلکہ غور و فکر کر کے سمجھ اور ادراک کے ساتھ چیزوں کو اپنانے یا چھوڑنے کا فیصلہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ کے نبوت سے قبل ایام کو دیکھا جائے تو یہ بات سمجھ آتی ہے کہ آپ ﷺ کی فکر میں ایک سوال یا سوالیہ نشان تھا جو کہ قوم کی بدحالی پر غمگیں کر رہا تھا۔ اس کی فکر میں کوئی حل تلاش کرنے کے لیے غار حرا میں تنہائی اختیار کی۔ آپ ﷺ کو قوم اور معاشرے کی حالت بدلنے کے لیے قرآن کریم جیسی جامع کتاب دی گئی۔ اس کتاب کی عملی تفسیر بننے کے لیے آپ ﷺ کی شخصیت کو نمونہ بنانے کا اہتمام کیا گیا۔ بالآخر آپ ﷺ عظیم سماجی تبدیلی کا ذریعہ بنے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تبدیلی کے محرکات میں غور و فکر کا عمل دخل ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اعلانِ نبوت کے بعد جو لوگ ایمان لائے ان میں غور و فکر کا پہلو مشترک تھا۔ کئی ایسے لوگ تھے جو اسلام سے قبل ہی بت پرستی ترک کر چکے تھے۔ خود کو حنیفی کہتے تھے لیکن اس عقیدہ کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ اس لیے حق کی تلاش میں سرگرداں تھے۔[1] سعید کا اپنے والد زید[2] کے ارشادات سن کر آپ ﷺ پر ایمان لانا اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخصیت مثبت اور متوازن ہوتی ہے وہ ان کا ساتھ دیتی ہے اور اس شخصیت کے ساتھ مل کر معاشرے میں تبدیلی لانے کا کردار ادا کرتی ہے۔ جو غور و فکر اور جستجو میں محو رہتی ہے اور منزل کو پا لیتی ہے۔

تحمل:

قرآن کریم کے انسانی شخصیت کی تعمیر و تشکیل کے پروگرام میں شامل اصولوں میں تحمل اور بردباری کا اصول بھی لازمی ہے۔ عصرِ حاضر میں انسان کی شخصیت کا تجزیہ کیا جائے تو تحمل کا پہلو ناپید دکھائی دیتا ہے۔ تحمل معاشرے میں مساوات اور استحکام پیدا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے جب کہ آج کے زمانہ میں عدم برداشت کا مادہ انسانی اجتماع میں عام دکھائی دیتا ہے۔ اس عدم تحمل کے رویے کے سبب معاشرے میں فکری اختلاف کی بنیاد پر بحث و مباحثہ ہوتا ہے۔ اس

---

[1] نعمانی، علامہ شبلی، سیرت النبی ﷺ، ج:1، ص:144

[2] ایضاً

بحث کے نتیجہ میں فکری اختلاف کی بناء پر عملی ہتھکنڈے اپنانا عمومی رجحان بن چکا ہے۔اس مزاج کے سبب جرائم جنم لیتے ہیں جس کے نتیجہ میں انسانی معاشرہ تنزلی کا شکار ہوتا ہے۔

انسانی معاشرے کے مربوط وجود میں انسانی شخصیت کردار ادا کرتی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے انحطاط کے شکار معاشرے کو عملی طور قرآنی اصولوں کی بنیاد پر مربوط کر کے دکھایا۔آپ ﷺ کو اپنی کوشش جاری رکھنے کا حکم دیا گیا۔آپ ﷺ کا نظام کی تبدیلی کی کوشش کو جاری رکھنا آپ ﷺ کے تحمل کا عملی ثبوت تھا۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خبردار کیا کہ آپ ﷺ پر بارِ گراں اتارا جائے گا۔اس ذمہ داری کے نتیجہ میں متوقع مزاحمت پر آپ ﷺ نے تحمل کا مظاہرہ کیا۔جب محنت کے نتیجہ میں اس ذمہ داری کے پھل نے پک کر نتیجہ دیا تو وہ معاشرتی تبدیلی تھی جو انسانی شخصیات کی تعمیرِ نو کے نتیجہ میں سامنے آئی۔

آج کے زمانہ میں انسان کو فطری اصولوں پر اور انسانی معاشرے کو انسانی معاشرتی بنیادوں پر تعمیر کرنے کی ضرورت ہے۔اس کام کے سلسلے میں رہنمائی اور مدد سیرت النبی ﷺ سے ثابت شدہ تحمل کے وصف کی محنت کے ذریعہ ممکن ہے۔

فکری اور روحانی استحکام:

دنیا دار العمل ہے۔اس میں انسان کی پہچان اس کے افعال اور اعمال کی بنیاد پر ہوتی ہے۔اعمال افکار کی عکاسی کر رہے ہوتے ہیں۔ہر شخص کے ذہن میں پیچیدگیاں ہوتی ہیں۔انسان اکثر ان پیچیدگیوں کو سلجھانے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔کبھی انسان سلجھانے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور کبھی ناکام رہتا ہے۔انسانی فکر کی پیچیدگیوں کا سلجھ جانا انسانی شخصیت پر مثبت اثرات مرتب کرتا ہے اور انسان فکری استحکام کو پا جاتا ہے۔اس کے برعکس انسان کی رہنمائی نہ ہو اور وہ ان الجھنوں کا حل نہ پا سکے تو وہ ہمیشہ فکری تذبذب کا شکار رہتا ہے۔یہ فکری عدم استحکام اس کی شخصیت کو مسخ کر دیتا ہے۔جیسا کہ عقل انسانی وجود کا لازمی جزو ہے۔اس کے وجود سے زندگی اور شخصیت کا فکری پہلو وجود پاتا ہے۔افکار انسان کے افعال کو قابو کرنے کا کام کر رہے ہوتے ہیں اس لیے ایک متوازن شخصیت کی فکری آبیاری کا کام مستحکم بنیادوں پر منحصر ہونا ضروری ہے۔اسی طرح روح انسانی وجود کا ایسا جزو ہے جس کا تعلق روحانی اور نورانی عالمِ خلق سے ہے۔انسانی شخصیت کی روحانی آبیاری کے لیے جن امور کی ضرورت ہوتی ہے ان پر محنت نہ کی جائے تو انسانی روح کا

حسن مجروح ہوتا ہے۔اس کے نتیجہ میں معاشرے میں اس شخصیت کی رونمائی میں کمی رہ جاتی ہے جو معاشرتی خرابیوں کا سبب بنتی ہے۔ متوازن روحانی آبیاری سے محروم شخصیت اوصافِ حمیدہ سے محروم رہ جاتی ہے۔ متوازن شخصیت کی تعمیر کے لیے عقل اور روح کی غذا کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔

عصرِ حاضر میں انسانوں میں فکری اور روحانی استحکام کا زوال ہے۔اس زوال کے سبب معاشرہ علم پر کُلی اعتماد و عمل اور اخلاق پر مکمل دسترس سے محروم ہے۔آج کے انسان کی شخصیت میں علمی استحکام کا اہتمام معرفتِ الٰہی کے حصول کے ذرائع کا اہتمام کرنے سے ممکن ہے۔اسی طرح روحانی استحکام کے لیے موجودہ انسان کی شخصیت کو تزکیہِ نفس کے مراحل سے گزارنا ضروری ہے۔

قرآن کریم نے سورۃ المزمل کے تناظر میں رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کو مثالی بنا کر پیش کیا۔اس مثالی شخصیت کے خواص پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ سماجی تبدیلی کی محرک شخصیت فکری اور اخلاقی اعتبار سے تھی۔اس کا ثبوت آپ ﷺ کا نبوت ملنے سے پہلے ہی بت پرستی اور اپنے ہم عمر جوانوں کی لایعنی مشاغل سے بیزار ہونا ہے۔آج کی انسانی شخصیت فکری اور روحانی استحکام نہ ہونے کے سبب بے عملی اور خوف کا شکار ہے۔ صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے عمل سے بے پرواہ اور فکری پیچیدگیوں سے سبب خوف کا اثر غالب ہے۔اسی طرح تزکیہِ نفس کا اہتمام نہ ہونے کے سبب اخلاقی اعتبار سے گراوٹ کا شکار ہے اور روحانی الجھنوں کی وجہ سے رہنمائی سے محروم ہے۔ایسی صورت میں انسانی شخصیت با قاعدہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔اس فکری اور اخلاقی انحطاط کے باعث آج کے انسان کی فکری اور اخلاقی آبیاری اور استحکام کے اہتمام کی ضرورت ہے۔اس تعمیرِ شخصیت کے اہتمام کا اصول ہمیں قرآن اور سیرت النبی ﷺ سے فکری اور روحانی استحکام کے اصول کی صورت میں ملتا ہے۔

زہد و تقویٰ:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کی دولت سے نوازا۔انسان کی عقل کی خوراک علم کی صورت میں دی۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو علم دیا اسی کی بنیاد پر انسان کی فکر میں خیر و شر کا تصور موجود ہے۔انسان عالمِ بالا ہی سے خیر و شر اور کامیابی و ناکامی کا تصور اپنے ساتھ لے کر دنیا میں آیا ہے۔درست علم کی بنیاد پر نیک عمل اس کی فکر میں موجود ہے۔ انسان نیک اعمال کے نتیجہ میں روحانی ترقی کا تصور بھی اپنے ساتھ لے کر دنیا میں آیا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔ اس عبادت کی مختلف صورتیں مختلف شریعتوں کی صورت میں دِیں۔ انسان کے درست علم کی بنیاد پر عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجاآوری کا نام زہد و تقویٰ ہے۔ زہد و تقویٰ کا مفہوم قرآن حکیم کے اس ارشاد سے سمجھ آتا ہے:

﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا﴾[1]

ترجمہ: تو اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ المزمل کی اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو زہد و تقویٰ کو اپنانے کا حکم دیا۔اس حکم کے پیشِ نظر سورۃ المزمل کے پسِ منظر کو سامنے رکھتے ہوئے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے کے لیے فائدہ مند شخصیت کی تعمیر کو یقینی بنانے کے لیے انسانی شخصیت کا زہد و تقویٰ کا پیکر ہونا ضروری ہے۔ زہد و تقویٰ کی صفت سے متصف شخصیت معاشرے میں مثبت کردار ادا کرتی ہے۔اپنے رب کی پہچان، یاد اور اطاعت انسانی شخصیت کی متوازن تعمیر و تشکیل کا ثبوت ہے۔ زہد و تقویٰ انسانی شخصیت کے اندر توازن قائم کرتا ہے۔ اس کے برعکس زہد و تقویٰ سے محروم شخصیت بے راہ روی اور منفی بے باکی کا شکار ہوتی ہے۔اس منفی رویہ کے سبب انسانی شخصیت معاشرہ میں بے مقصد زندگی گزرتی ہے۔ ایسی شخصیت بظاہر اسباب کو بروئے کار لانے کے اعتبار سے کامیاب اور متوازن ہو سکتی ہے لیکن اس کے وجود میں جامعیت نہ ہونے کے سبب دوسروں کے لیے فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت جہاں اپنی ذات کے اعتبار سے متوازن اور کامیاب تھی وہیں دوسروں کے لیے فائدہ کی مثال تھی۔

عصرِ حاضر میں انسانی شخصیت کی تعمیر اور تشکیل کے طریقہِ کار پر غور کیا جائے تو زہد و تقویٰ کے اہتمام کی کمی دکھائی دیتی ہے۔ یہ کمی شخصیت کی تعمیر کے زمانہ سے گزر جانے کے ساتھ ساتھ اس وقت واضح ہوتی ہے جب انسانی شخصیت کا معاشرے میں باقاعدہ مظاہرہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ انسان کے افکار، اعمال اور اخلاق کی تعمیر میں توازن اور اہتمام کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخصیت دوسرے انسانوں کے ساتھ معاملات سرانجام دیتی ہے۔ موجودہ زمانہ میں انسانی شخصیت میں زہد و تقویٰ سے مراد فکری، عملی اور اخلاقی پیمانوں کا تعلیماتِ الہیٰ کی بنیادوں پر تشکیل پانا مراد ہو گا۔ اس کا ثبوت معاشرے میں انسانی رویوں کی صورت میں عیاں ہوتا ہے کہ کس قدر قرآنی اصولوں پر انسان کی شخصیت

---

[1] سورۃ المزمل:8

سازی کی گئی ہے۔ موجودہ زمانہ میں انسانی رویوں کو دیکھا جائے تو انسان بے راہ روی اور منفی بے باکی پر منحصر ہے۔انسانی افکار میں زہدو تقویٰ جیسی خوبی کے ناپید ہونے کے سبب ہر انسان کو معیارِ تقویٰ الگ ہے۔اس رویہ کے سبب انسان انفرادی زہدو تقویٰ اور کامیابی کا خواہاں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ دور کی انسانی شخصیت معاشرے کے ربط اور باہمی تعامل کی متحمل نہیں ہے اور خود کو نیابتِ الہیٰ کے فریضہ کی ذمہ دار نہیں سمجھتی۔ایسی صورت میں ضرورت ہے کہ انسانی شخصیت کی تعمیر کے طریقہِ کار پر نظرثانی کرتے ہوئے ہر عمر اور طبقہ کے افراد میں ہدو تقویٰ کے جامع تصور کے قیام کا اہتمام قرآن کریم کے اصولوں کے مطابق کیاجائے۔

یقینِ کامل:

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق اور کائنات کی تخلیق کو بامقصد قرار دیاہے۔اس وسیع کائنات کے جامع نظام میں انسان کو عظیم مرتبہِ شرافت دینااس بات کاثبوت ہے کہ اس دنیاکی زندگی کے کارواں کی منزل خاص ہے۔اس عظیم منزل پر پہنچنے تک مختلف چھوٹی منازل کو حاصل کرنااس سفر کا حصہ ہے۔اس سفر کے اسباب کواہتمام اللہ تعالیٰ نے دنیاوی نعمتوں اوراحسانات کی صورت میں کیا۔انسان ان اسباب کواپنے مقاصد کے حصول کے لیے اپناتاہے۔قرآن کریم نے انسانی شخصیت کی متوازن تشکیل کے لیے جو طریقہِ کار واضح کیاوہ اسباب کو بروئے کار لانے کے بعد نتائج کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین کا طریقہ ہے۔اس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے بخوبی ملتاہے۔آپ ﷺ کوایک عظیم مقصد دے کر دنیامیں بھیجا گیا۔اس مقصد کے حصول کے لیے آپ ﷺ اسباب کو بروئے کار لائے۔آپ ﷺ کو توحید کااعلانِ عام کرنے کو کہا گیا۔اس پر آپ ﷺ کو فکری اور عملی مخالفت کا سامنا کرناپڑا۔اس موقع پرآپ ﷺ کی شخصیت کو متوازن اصولوں پر تشکیل دیاجارہاتھا۔آپ ﷺ نے اپنے مقصد کی کامیابی کے لیے کوشش جاری رکھی۔آپ ﷺ تدبیر کر چکے تو شخصیتِ نبوی کومزید مستحکم بنانے کے لیے اگلا حکم دیا گیا۔ چناچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا﴾[1]

ترجمہ: مشرق اور مغرب کامالک(ہے اور)اس کے سوا کوئی معبود نہیں تواسی کواپنا کارساز بناؤ۔

---

[1] سورۃ المزمل:9

یہ قرآنی اصول کی بنیاد پر شخصیت سازی تھی جو انسانی شخصیت میں اطمینان کی کیفیت کے قیام کا ذریعہ بنتی ہے۔ آج کے انسان کی شخصیت میں یقینِ کامل کی کمی ہے۔ اس کا اندازہ آج کے انسان کے اسباب پر اعتماد اور انحصار کی صورت میں دکھائی دیتا ہے۔ آج کا انسان جس قدر اسباب پر اعتماد کرتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ انسانی شخصیت کی تعمیر کے مراحل میں ایمان پر محنت نہیں کی گئی جس کی وجہ سے انسان یقینِ کامل کی دولت سے محروم ہے۔ اس کائنات کے نظام کی درجہ بندی اور ترکیب کو دیکھا جائے تو اسباب کا وجود محض انسان کے استعمال کے لیے ہے۔ انسانی شخصیت اسباب سے ممتاز چیز کا نام ہے جبکہ آج کا انسان اسباب کے بغیر اپنے وجود کو نامکمل سمجھنے لگ چکا ہے۔ ایسی صورت میں از سرِ نو انسانی شخصیت کی تعمیر پر توجہ دیتے ہوئے یقینِ کامل کی خوبی سے انسانوں کو متصف کرنے کی ضرورت ہے۔

صبر:

متوازن انسانی شخصیت ہمیشہ بڑے مقصد کے پیشِ نظر زندگی گزارتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے عظیم مقصد کی پہچان میں مدد ملتی ہے۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے معاشرتی اصلاح اور تبدیلی کا مقصد دے کر بھیجا۔ اس مقصد کے پیشِ نظر آپ ﷺ کا اندازِ تحریک یہ سبق دیتا ہے کہ مقصد کی پہچان اور حصول کے لیے انسانی شخصیت کا کن اوصاف سے مزین ہونا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ جس مقصد کو لے کر دنیا کے سامنے آئے وہ مقصد اس زمانہ کے فاسد نظام کے خلاف اعلانِ جنگ تھا۔ یہ جنگ کوئی مسلح جنگ نہیں تھی بلکہ اس کا آغاز نئی فکر کی بنیاد اور استحکام پر ہو رہا تھا۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے کلام کو اپنا ہتھیار بنایا۔ آپ ﷺ کا مقصد لوگوں کو مخاطب کرنا تھا۔ ایسا کرنے کے لیے جب آپ ﷺ نے کوہِ صفا سے لوگوں کو مخاطب کیا تو اس صدا کے نتیجہ میں چچا بھتیجے کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ دوست دشمن بن گئے۔

اپنے مقصد کے حصول کے لیے عملی اقدم کی صورت میں آپ ﷺ کو فکری مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ آپ ﷺ جو بات کر رہے تھے وہ پہلے سے موجود فکر کا قتل کرنے والی تھی۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ افکار اعمال کی مشق کے ساتھ انتہائی مضبوط ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو شدید طرزِ عمل کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل، جسم اور اسباب کے ذریعہ سے طاقت دی۔ جب انسان اپنے افکار کے خلاف ماحول پا کر خطرہ محسوس کرتا ہے تو انھی ذرائع کو استعمال کرتا ہے۔ آپ ﷺ کی بات ماننے سے انکار کیا جانا عقل اور فکر کا استعمال تھا جو

آپ ﷺ کی دعوت کو اپنے افکار کی موت سمجھتا تھا۔ افکار پر اعمال کی بنیاد ہوتی ہے اس لیے قریشِ مکہ کو خطرہ لاحق تھا کہ ان کا وہ مذہب جو عرصہ دراز سے چلا آرہا ہے یکسر فکری اور عملی اعتبار سے بدل جائے گا۔ اس لیے مشرکینِ مکہ نے آپ ﷺ کو فکری، عملی اور اخلاقی اعتبار سے سخت مزاحمت سے دوچار کیا۔ ایسی سرد جنگ کے ماحول میں آپ ﷺ کے عمل نے متوازن شخصیت کی مثال قائم کر کے دکھائی۔ آپ ﷺ کو سب سے پہلے اپنے خاندان والوں کی طرف سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنے خونی رشتوں کی طرف سے مخالفت کے سبب انسان کا زیادہ رنجیدہ ہونا اور دکھی ہونا فطری عمل ہے۔ اپنوں کی طرف سے تائید کی توقع زیادہ ہوتی ہے لیکن مزاحمت کی صورت میں صبرِ عظیم کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے صبرِ عظیم کی مثال قائم کی۔ یہاں تک کہ جب اللہ کی طرف سے فیصلہ ہو چکا کہ آپ ﷺ کے پیاروں میں سے کچھ کو ہدایت نہیں مل سکتی تو یہ اور بھی دکھ کی بات تھی۔ آپ ﷺ نے اس پر بھی صبر کا عملی نمونہ پیش کیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے شخصیت میں صبر کے استحکامی وجود کو یقینی بنانے کے لیے تسلی بخش انداز بیان کو اپنایا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا﴾[1]

ترجمہ: اور جو جو (دل آزار) باتیں یہ لوگ کہتے ہیں ان کو سہتے رہو اور اچھے طریق سے ان سے کنارہ کش رہو۔

یہ اندازِ خطاب احساس دلاتا ہے کہ متوازن شخصیت مقصدیت پسند ہوتی ہے۔ اچھی تعمیر شدہ شخصیت مخالفین کے اعتراضات اور مخالفت پر صبر کرنے والی ہوتی ہے نہ کہ بحث و مباحثہ میں پڑ کر وقت اور مقاصد پر سمجھوتا کرنے والی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے متوازن شخصیت یقین کی کیفیت سے مالا مال ہوتی ہے اور صبر کی مثال قائم کرنے والی ہوتی ہے۔

آج کے زمانہ میں انسانی شخصیت کا جائزہ لیا جائے تو بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آج کے انسان کی شخصیت کی تعمیر قرآن کریم کے صبر کے اصول کے مطابق نہیں ہوئی۔ اگر ایسا اہتمام کیا بھی گیا ہے تو اس میں کافی کمی رہ گئی ہے۔ کہیں نہ کہیں صبر کے وصف کے قیام میں مقصد کی نزاکت کو پامال کرتے ہوئے انسانی شخصیت کو پروان چڑھا دیا گیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں آج کا انسان عمل کے ردِ عمل کے طور پر فوری نتائج چاہتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ آج کا انسان

---

[1] سورۃ المزمل: 10

اپنی شخصیت میں یہ عیب اٹھائے ہوئے ہے کہ وہ فکری، عملی یا اخلاقی اختلاف کا متحمل نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ صبر کرنے سے عاری ہے۔آج کے انسانی کی شخصیت میں صبر کا پہلو نہ ہونے کی وجہ سے انسانی نفسیاتی طور پر تناؤ کا شکار رہتا ہے۔اس سے اگلے درجہ پر انسان صبر نہ ہونے کی وجہ سے عملی اور اخلاقی جرائم کا مرتکب ہو رہا ہے۔عصرِ حاضر میں انسانی شخصیت کی تعمیر کے مراحل میں صبر جیسی خوبی کو نظرانداز کرنے کے سبب موجودہ معاشرہ مسائل کا شکار ہے۔

موجودہ معاشرے میں موجود انسانی شخصیت کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ معاشرتی سکون اور استحکام کے لیے انسانی شخصیت کی تعمیر کے کام پر ترجیحی بنیادوں پر توجہ دینی ہوگی۔

مشاہدہ:

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں وسعت رکھی ہے۔اس کائنات کے نظام میں ہر روز چھوٹی بڑی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہوتی ہیں۔حالات اور واقعات کے اس تغیر و تبدل میں انسانی زندگی کا گزر بسر ہو رہا ہے۔جس طرح یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی پیچیدہ تخلیق ہے اسی طرح انسان اللہ تعالیٰ کی خاص تخلیق ہے۔اس کائنات میں رونما ہونے والے واقعات کا تقاضا ہے کہ اس کائنات میں غور و فکر کیا جائے۔دوسری طرف انسان کو عقل دی جس کا تقاضا ہے کہ انسان غور و فکر کرے۔غور و فکر کے عمل کی ابتدا مشاہدہ سے ہوتی ہے۔انسان کو کسی چیز پر غور و فکر کرنے کے لیے بنیادی علم مشاہدہ کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔اس کے بعد الجھی ہوئی چیزوں کو سلجھانے کا سفر شروع ہوتا ہے۔

بالکل اسی طرح متوازن شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں مشاہدہ کرنے کی صلاحیت کا عمل دخل ہوتا ہے۔جو انسان مشاہدہ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو وہ غور و فکر کی استعداد سے محروم رہتا ہے۔اس کے نتیجہ اس کی شخصیت متوازن شخصیت نہیں ہو سکتی۔اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جس معاشرے میں معاشرتی تبدیلی کا ذریعہ بنایا اس معاشرے میں آپ ﷺ سے ابتدائی طور پر مشاہدہ کروایا۔اس مشاہدہ کے نتیجہ میں آپ ﷺ معاشرے کی زوال کا سبب جان گئے۔آپ ﷺ کو انسان کی شخصیت سازی کی ضرورت محسوس ہونے لگی جس کی وجہ سے آپ ﷺ اکثر فکر مند رہتے۔بالآخر قرآن کریم کے ذریعہ شخصیت کی مثبت انداز میں بڑھوتری کے لیے مشاہدہ کا اصول دیا گیا۔قرآن کریم نے کئی واقعات بیان کیے تاکہ انسان کو مشاہدہ ہو سکے اور وہ غور و فکر کر کے استدلال کر سکے۔اگر شخصیت سازی کے دوران مشاہدہ کر کے استدلال کی صلاحیت کو پروان نہ چڑھایا جائے تو شخصیت فکری اور عملی جمود کا شکار ہو جاتی

ہے۔اس کی مثال مشرکینِ مکہ کے طرزِ عمل سے واضح ہوتی ہے کہ ان کے سامنے بڑے پیانہ پر معاشرتی تبدیلیاں رونماہورہی تھیں لیکن وہ ان کا مشاہدہ کرنے اور غور کرنے کو تیار نہیں تھے۔

عصرِ حاضر میں انسانی شخصیت کے طرزِ عمل کو دیکھا جائے تو زیادہ تعجب ہوتا ہے کہ آج کا انسان مشرکینِ مکہ کی طرح مشاہدہ کرنے اور غور و فکر کرنے کی صلاحیت سے محروم ہے۔آج کے دور میں رونما ہونے والی تبدیلیوں پر انسان کا غور و فکر نہ کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آج کا انسان عقل کے استعمال اور مشاہدہ کی صلاحیت سے محروم ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ دور میں انسان کی شخصیت میں اس صلاحیت کو پروان نہیں چڑھایا گیا۔ یہ طرزِ عمل تقاضا کرتا ہے کہ انسان کی شخصیت سازی کے عمل میں مشاہدہ کی بنیاد پر غور و فکر کرنے کو مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔

احسان:

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو بے سبب پیدا نہیں کیا۔اللہ تعالیٰ نے مخلوقات پر اپنے انعامات اور احسانات کیے۔انسان کو توحید پرست فطرت پر پیدا کیا۔انسانی شعور کے وجود کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے خالق کو پہچان سکے اور رانسان کی پیدائش کا مقصد یہی تھا۔اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیھم السلام اور آسمانی کتب کے سلسلہ کا اہتمام کیا۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو وجود دیا۔ وجود کی منفعت کی طرف رہنمائی کی اور اکملیت کے تقاضوں کو پورا کیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ہر قدم پر انسان کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا۔احسان سے مراد "ایسا حسین ہونا ہے جو ہر لحاظ سے عمدہ ہو،اس کا عمدہ ہونا عقل کے پیمانے پر بھی پورا اترتا ہو اور قلبی چاہت اور رغبت کے اعتبار سے بھی دل کو بھلاتا ہو۔"[1] اس تعریف کی رو سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس کائنات کے نظام کو مضبوط اور مربوط بنایا ہے وہ انسان کی ساتھ حسن کا اعلیٰ درجہ ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پنے نائب کو قرآن کریم میں احسان کا حکم دیا۔[2] اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو انسان کا اس صفت سے متصف ہونا مقصود ہے۔

---

[1] اصفہانی،امام راغب، مفردات القرآن،ج:1،ص:119 المکتبہ قاسمیہ لاہور،1963

[2] إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ

رسول اللہ ﷺ کو جس کام کے لیے بھیجا گیا وہ انتہائی مشکل کام تھا۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے سماجی تبدیلی کا کام لیا وہیں آپ ﷺ کو مخلوق کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے کو کہا۔ آپ ﷺ نے مشرکینِ مکہ کے ردِ عمل پر عملِ احسان کا نمونہ پیش کر کے دکھایا۔ آپ ﷺ اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے کوشاں رہے اور احسان کے پیشِ نظر ہدایتِ عام کو ترک نہیں کیا۔

انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں کو دیکھا جائے تو یہ واضح ہے کہ انسان تنہا زندگی نہیں گزار سکتا۔ انسان اجتماعیت پسند ہونے کے سبب دوسروں کے ساتھ مل جل کر کام کرتا ہے اس وجہ سے معاملات کی انجام دہی یقینی بنتی ہے۔ لہٰذا انسان کو عملی زندگی میں احسان سے متصف ہونا چاہیے۔ اکثر اوقات احسان کا معاملہ نہ ہونے کے سبب انسان مشکلات کا شکار ہوتا ہے۔ عصرِ حاضر میں عمومی طور پر انسانی شخصیت صفتِ احسان سے محروم ہے۔ اس وجہ سے معاشرے میں ظلم و زیادتی عام ہے۔ احسان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے۔ اس کے احسانات لے بدلے اس کے احکامات کو احسن انداز میں بجالائے۔ اسی طرح مخلوق کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ اس طرح سے حسنِ سلوک کرے جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کے ساتھ کیا۔ موجودہ دور میں معاملات میں انسان کے طرزِ عمل میں احسان فراموشی کے رویہ کو دیکھا جائے تو انسانی شخصیت کی تعمیر و تربیت میں صفتِ احسان کے اہتمام کے فقدان کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ صفتِ احسان انسانی روح کا حسن ہے۔ اگر انسان کی شخصیت کی تعمیر میں صفتِ احسان کے قیام کو فراموش کر دیا جائے تو انسانی شخصیت کی تشکیل کے جامع نظام میں سے روحانی آبیاری کا پہلو چھوٹ جائے گا۔ اس انداز سے تربیت پانے والی شخصیت کو متوازن اور تعمیر شدہ شخصیت نہیں قرار دیا جاسکتا۔ لہٰذا متوازن شخصیت کی تعمیر کے لیے ان اصولوں کے اہتمام کی ضرورت جو فکری، عملی اور اخلاقی پیمانوں پر انسانی شخصیت کی متوازن تعمیر و تشکیل میں معاون ثابت ہوتے ہیں تا کہ شخصیت کی تعمیر کا کوئی پہلو متاثر نہ ہو۔

اس بحث کا حاصلِ کلام یہ ہے کہ انسانی شخصیت مختلف اجزاء کا مجموعہ ہے۔ متوازن شخصیت کی تشکیل کے لیے ہر ایک جز کی متوازن اصولوں کی بنیاد پر تعمیر ضروری ہے۔ اگر انسانی شخصیت کا کوئی ایک پہلو بھی نظر انداز کر دیا جائے تو شخصیت کی متوازن تعمیر نہیں ہو سکے گی۔ انسانی معاشرے کے مختلف مسائل کا حل انسانی شخصیت کی متوازن اصولوں پر تعمیر و تربیت کی صورت ہی میں ممکن ہے۔ چونکہ انسان معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ جس قدر انسانی

شخصیت کی مثبت آبیاری کی جائے گی اس قدر معاشرہ متوازن پیمانوں پر استوار ہو پائے گا۔ قرآن کریم جو کہ انسانی رہنمائی کا بنیادی مصدر ہے انسان کی شخصیت سازی میں نادر اصول فراہم کرتاہے۔ سورۃالمزمل انسان کی شخصیت سازی کے لیے فکری مندی، غور وفکر، تحمل، زہد و تقویٰ، یقینِ کامل، صبر ،احسان اور فکری وروحانی استحکام جیسے اصول فراہم کرتی ہے۔ یہ اصول معاشرے میں سے فکری جمود وانحطاط، عدم برداشت، فکری وروحانی تذبذب، بے راہ روی، عدم تفکر اور احسان فراموشی جیسے عیوب کے خاتمہ میں کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ان معاشرتی مسائل کو حل کرنے اور معاشرے کے استحکام اور سکون کو قائم کرنے کے لیے افراد کی ان اصولوں کی روشنی میں شخصیت سازی کرنے کی ضرورت ہے۔ ان اصولوں کو شخصیت سازی کا باقاعدہ حصہ بنانے لے لیے تعلیم و تعلم اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کے تربیتی شعبوں میں ترجیحی بنیادوں پر اپنانے کی ضرورت ہے۔

فصل دوم: سورۃ المدثر اور تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کی عصری تطبیق

اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کے ذریعہ اس دنیا کو آباد کیا۔ یہ کائنات مسلسل تنوع اختیار کرتی رہی ہے۔ تاریخِ انسانی پر غور کیا جائے تو انسانیت نے بھی کائنات کے اس اصول کے تحت ہمیشہ وسعت اختیار کی ہے۔ انسان پتھر کے زمانہ سے ترقی کرتا ہوا موجودہ جدید زمانہ تک پہنچ آیا ہے۔ ترقی کے اس سفر میں انسان مختلف مشاہدات اور تجربات سے گزرا ہے۔ سماجی اعتبار سے دیکھا جائے تو جنگلوں اور پہاڑوں میں رہنے والا انسان آج جدید سماجی نظام میں زندگی گزار رہا ہے۔ انسان نے اس مقام تک پہنچتے ہوئے جہاں تسخیرِ کائنات کے دیگر کارنامے سرانجام دیے وہیں جدید سماجی معاشرے کو بھی وجود بخشا۔ اس جدید سماجی نظام کی بنیادی اکائی انسان ہے۔ اس سفر کے نتیجہ میں انسان کی فطرت کا جو پہلو سامنے آیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اجتماعیت پسند ہے۔ اس اجتماعیت پسندی کے نتیجہ میں دنیا میں کئی معاشرتی نظام دیکھنے کو ملتے ہیں۔ یہ تمام معاشرتی نظام اجتماعیت پر مبنی ہیں۔ انسان افکار، اعمال و معاملات اور اخلاقی روابط کے تحت ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔

وقت کے ساتھ ساتھ جہاں کائنات نے تبدیلیاں اختیار کیں وہیں انسان کے اندر مختلف تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ ان تبدیلیوں کے سبب انسان جو کئی فائدے حاصل ہوئے وہیں انسانیت کئی مسائل سے بھی دوچار ہوئی۔ انسان ہمیشہ ان مسائل کو حل کرنے کی سعی کرتا رہا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے مکمل رہنمائی کے لیے کتاب اللہ جیسا جامع نصاب بھی دیا۔ اس کی خصوصیت ہے کہ یہ ہر دور کے مسائل کو حل کرنے کے اصول فراہم کرتا ہے۔ تاریخِ انسانی جب عظیم سماجی تبدیلی کی متحمل ہوئی تو انفرادی تبدیلی سے اجتماعی تبدیلی کی ضرورت لاحق ہو گئی۔ اس سماجی تبدیلی کے پیشِ نظر سماج کی بنیادی اکائی انسان کی اجتماعی اعتبار سے تبدیلی کی ضرورت پیش آئی۔ انفرادی تبدیلی سے اجتماعی تبدیلی کے لیے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا گیا۔ پہلے مرحلہ میں آپ ﷺ کو معاشرتی تبدیلی کے محرک اصولوں سے متصف کیا گیا۔ اس کے بعد اصل مقصد کے اہتمام کے لیے آپ ﷺ کو میدانِ عمل میں اترنے کو کہا گیا۔ اس مرحلہ وار نظام کا مقصد سماجی تبدیلی کے پیشِ نظر انسان کی شخصیت کی تعمیرِ نو تھا۔ آپ ﷺ نے عملی طور پر یہ سب کر کے دکھایا۔

عصرِ حاضر میں معاشرے کو جس معاشرتی تبدیلی کی ضرورت ہے اس کے پیشِ نظر قرآن کریم کی سورۃ المدثر سے مستنبط اصول سیرت النبی ﷺ کے تناظر میں مکمل رہنمائی کرتے ہیں۔ تحقیق کے سابقہ حصہ میں سیرت النبی ﷺ

کی روشنی میں سورۃ المدثر سے تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کو اخذ کیا گیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں انسان کی شخصیت کی تعمیر کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے تحقیق کے اس حصہ میں سورۃ المدثر سے مستنبط شدہ اصولوں کی عصری تطبیق کی کوشش کی جائے گی۔

سورۃ المدثر اور تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کی عصری تطبیق

احساسِ ذمہ داری:

رسول اللہ ﷺ کو انسانیت کی ہدایت کے لیے دنیا میں بھیجا گیا۔ آپ ﷺ کی شخصیت اُن اوصاف کا مجموعہ تھی جنھیں فکری، عملی اور اخلاقی اعتبار سے متوازن شخصیت کی تشکیل کے اصول کہا جا سکے۔ ان اصولوں سے متصف ہونے کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ متوازن اور اعلیٰ شخصیت ہونے کے تقاضوں کی بجاآوری کریں۔ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد بھی انسانیت کی تکمیل ہی تھا۔ اس بات کا تقاضا ہے کہ متوازن شخصیت احساسِ ذمہ داری کی مثال ہوتی ہے۔ سورۃ المدثر کے مطابق متوازن شخصیت کی پہلی خوبی احساسِ ذمہ داری ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس خوبی کا عملی نمونہ قرآن کریم کی سورۃ المدثر کی آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ چناچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُمْ فَأَنذِرْ﴾[1]

ترجمہ: اُٹھو اور ہدایت کرو۔

آپ ﷺ کو پہلی وحی کے ذریعہ شرفِ نبوت سے نوازا گیا۔ اس کے بعد اس آیت کے نازل ہونے سے منصبِ رسالت کی ذمہ داری عائد ہوگئی۔ رسالت کے فرائض کی ادئیگی کے پیشِ نظر آپ ﷺ نے انسانوں کی اصلاح کا اعلانِ عام کیا۔ اس زمانہ کے اعتبار سے آپ ﷺ کی پہلی بات ہی دعوتِ حق تھی۔ اس دعوت کا مقصد انسانوں کی فکری تعمیر و تربیت کا اہتمام کرنا تھا۔ اس معاشرے کے لوگ جن فکری خرابیوں کا شکار تھے ان کی اصلاح تھی۔ سورۃ المدثر کے پسِ منظر پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو قوم کی گمراہی کی فکر لاحق تھی۔ اس کے علاج کے لیے آپ ﷺ نے اپنی ذمہ داری کو بخوبی ادا کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی

---

[1] سورۃ المدثر: 2

معاشرے میں تبدیلی یا کسی خرابی کی اصلاح کا محرک بننے کے لیے انسانوں کا احساسِ ذمہ داری کے وصف کے متصف ہونا اور اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے کا حامل ہونا ضروری ہے۔

عصرِ حاضر کی پیچیدہ زندگی کو دیکھا جائے تو انسان کی شخصیت میں احساسِ ذمہ داری کو شعوری طور پر پروان چڑھانے کی ضرورت ہے۔ موجودہ دور کے انسان کو اپنی ذمہ داری کو پہچاننے ہی میں مشکل اور پریشانی کا سامنا ہے۔اس کے سبب معاشرے میں الزام تراشی کی فضا پیدا ہوتی ہے۔آج کے انسان کو احساسِ ذمہ داری کا ادراک نہ ہونے کی وجہ سے دوسروں کے کام میں مداخلت کی لت لگ چکی ہے۔اس کے سبب زندگی کے جملہ پہلو مثبت نتائج دینے سے قاصر ہیں۔احساسِ ذمہ داری کا ادراک نہ ہونے کی وجہ سے معاشرے کا توازن خراب ہوتا ہے۔ موجودہ دور کا انسان اس توازن کے خراب ہونے کے سبب کو بھی سمجھنے سے قاصر ہے کیونکہ وہ احساسِ ذمہ داری کے وصف سے محروم بھی ہے اور سمجھ بھی نہیں سکا۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ کو شعوری طور پر اپنی ذمہ داری کا ادراک تھا اور حکم ملنے پر عمل شروع کیا اسی طرح آج کے انسان میں احساسِ ذمہ داری کا شعوری احساس پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ذمہ داری کے متقاضی حالات سامنے آنے پر عمل کر سکے۔یہی رویہ متوازن شخصیت کے مظاہرہ کی مثال بن سکتا ہے۔

توحید:

انسان کی فطرت کا بغور مشاہدہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان فطرت پسند ہے۔اس فطرت پسندی کے تقاضا کے تحت ثابت ہوتا ہے کہ انسان توحید پرست بھی ہے۔انسان کی فطرتِ سلیم کئی طاقتوں کے اختیار اور تسلط کو تسلیم نہیں کر سکتی۔اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیھم اجمعین کو توحید کی دعوت اور اعلانِ عام کے لیے دنیا میں بھیجا۔انسان جب توحید سے انحراف کرتا ہے تو اس کی شخصیت مجروح ہو جاتی ہے۔اس کے نتیجہ میں انسانی افکار تذبذب کا شکار ہوتے ہیں جس کے سبب انسان فکری اطمینان سے محروم ہو جاتا ہے۔اس فکری انحطاط کے نتیجہ میں انسانی اعمال کو متاثر کرتے ہیں اور انسان اعمالِ فاسدہ اور اعمالِ صالح میں فرق کرنے کے قابل نہیں رہتا۔اسی طرح روحانی اعتبار سے انسان کی روح تاریکیوں کا شکار ہو جاتی ہے۔یہ انسانی شخصیت کی بدترین تباہی ہوتی ہے۔

دوسری طرف توحید کے نور سے روشن شخصیت فکری، عملی اور اخلاقی استحکام سے لبریز ہو کر معاشرے لے لیے مفید بن جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے عمل کو دیکھا جائے تو آپ ﷺ کو معاشرتی تبدیلی لانے کے لیے سب سے پہلے لوگوں کے تخریب شدہ ذہنوں کو توحید سے مرتب کرنے کا حکم دیا گیا۔ چناچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾[1]

ترجمہ: اور اپنے پروردگار کی بڑائی کرو۔

بڑائی کے اس بیان کرنے کے حکم سے مراد اللہ تالی کی توحید کا اعلانِ عام تھا۔ یہی وہ اصول تھا جس نے انسانوں کی شخصیت میں فکری تبدیلی کا اولین محرک بنتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ فکری تبدیلی کا اہتمام کیا۔ یہ متوازن شخصیت کی تعمیر و تشکیل کا ضروری اصول ہے کہ انسانی فکر کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور طاقت کے اختیار اور تسلط سے آزاد کیا جائے تا کہ وہ تعمیر کے دیگر اصولوں کا متحمل ہو سکے۔

عصرِ حاضر میں انسانی رویوں پر غور کیا جائے تو محض زبانی اقرار کے سوا انسانی شخصیات کا توحید پرست ہونا محسوس نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یوں لی جا سکتی ہے کہ موجودہ دور کے انسان کی فکر اسباب پر انحصار کے معاملہ میں اس قدر ہے کہ شرک فی الصفات کا شائبہ ہونے لگتا ہے۔ اسباب پر بے تحاشا اعتماد کے نتیجہ میں آج کے انسان کے اعمال میں انصاف ناپید ہے۔ اسی وجہ سے یہ انسان اسباب کے اپنانے میں حد سے گزرا ہوا ہے۔ جیسا کہ توحید انسان کی روحانی آبیاری تواضع، قناعت اور احسان جیسی خوبیوں کے اہتمام سے کرتی ہے۔ آج کا انسان بغض، کبر اور بہتان جیسی روحانی بیماریوں کا شکار ہے۔ انسان کی شخصیت میں ان عیوب کا پایا جانا ثابت کرتا ہے کہ موجودہ دور کے انسان کی فکری، عملی اور روحانی تعمیر کے اہتمام میں کمی رہ گئی ہے۔ عصرِ حاضر میں ایسی شخصیت جو فکری، عملی اور اخلاقی اعتبار سے متوازن شخصیت کہلا سکے ناپید دکھائی دیتی ہے۔ لٰہذا قرآن کریم اور سیرت النبی ﷺ نے جس طرح معاشرتی تبدیلی کے لیے انسانی افکار کو توحید پر کاربند کرنے کا جامع اصول اور اس کا نمونہ پیش کیا اسی طرح آج کے انسان کی توحید کے فکری، عملی اور اخلاقی اثرات کو سامنے رکھتے ہوئے تربیت کی ضرورت ہے۔

---

[1] سورۃ المدثر: 3

دامنِ دل کی پاکی:

اللہ تعالیٰ نے انسانی وجود کو جن چیزوں سے تقویت بخشی ان میں سے ایک دل بھی ہے۔اس دل کے باطنی وجود پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے افعال اور اعمال میں اس کا خاص عمل دخل ہوتا ہے۔انسان کا دل افکار کو اعتقاد کے طور پر محفوظ کرلیتا ہے۔اس لیے انسانی شخصیت کی مناسب تعمیر کے لیے اس دل کی حفاظت بھی ضروری ہے۔قرآن کریم نے انسانی دل کو محفوظ کرنے کا خاص حکم دیا۔سورۃ المدثر میں انسانی شخصیت کی تعمیر کے لیے جو اصول فراہم کئے گئے ان کی ترتیب کو دیکھا جائے تو متوازن شخصیت کی تشکیل میں احساسِ ذمہ داری اور توحید کے اہتمام کے بعد دل کو پاک کرنے کا درس ملتا ہے۔چناچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾[1]

ترجمہ: اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔

اگرچہ اس آیت کے لفظی ترجمہ کے اعتبار سے انسان کی ظاہری پاکی مراد ہے لیکن تعمیرِ شخصیت کے اصول کے طور پر دامنِ دل کی پاکی مراد ہے۔چونکہ انسان جسم، عقل اور روح کا مجموعہ ہے اس لیے انسان کی متوازن شخصیت کی تعمیر و تشکیل کے لیے فکری اور عملی تربیت کے بعد روحانی آبیاری کا مرحلہ آتا ہے اور دل اس مرحلہ کا خاص جزو ہے۔رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کو اس طرح کی ہدایت کرنے کا مطلب ہے کہ انسانی معاشرے میں تبدیلی کے لیے اپنے دل کو پاک رکھیں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسانی دل آلودہ کیسے ہوتا ہے تو اس کے لیے یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ دل میں شکوک و شبہات کا پیدا ہونا انسانی عقل اور افکار پر اثر انداز ہوتا ہے۔اس کے نتیجہ میں انسانی اعمال متاثر ہوتے ہیں۔لہٰذا متوازن شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں انسانی دل کی طہارت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔انسانی دل کی طہارت اس میں پیدا ہونے والے شکوک اور وساوس کی درست رہنمائی کی صورت میں ممکن ہے۔

عصرِ حاضر میں انسان کی شخصیت کو پرکھا جائے تو کم ہی کوئی دل نجاست سے پاک ملے گا۔ہر انسان اپنے دل میں شکوک و شبہات اور بے چینی سموئے ہوئے ہے۔ایسی صورت میں موجودہ دور کے انسان کے افکار اور اعمال

---

[1] سورۃ المدثر:3

دونوں تذبذب کا شکار ہیں۔ اسی وجہ سے آج کے انسان کے افکار اور اعمال میں ہم آہنگی نہیں ملتی۔ عصرِ حاضر میں انسان کی شخصیت کو ان متوازن اصولوں پر پروان چڑھانے کی ضرورت ہے جن میں قرآن کریم کے اس اصول کا خاص خیال رکھا جائے۔

باطن کی نجاست سے حفاظت:

انسانی کے باطن میں روح جیسی نورانی چیز بھی موجود ہے۔ روح انسانی شخصیت کا وہ پہلو ہے جو عقل اور جسم کو تقویت دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جس قدر روح منور اور طاقتور ہوگی اس قدر انسانی شخصیت منور اور تناور ہوگی۔ اسی طرح اگر روح کی آبیاری کا اہتمام نہ کیا جائے تو روح مردہ ہو جاتی ہے جس کے اثرات انسانی شخصیت کو خراب کرتے ہیں۔ انسانی جسم اس کے وجود کو مادی دنیا میں مظاہرہ کا ذریعہ ہے جبکہ انسان کی روح روحانیات کی دنیا میں اسے جوڑے رکھتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر انسان کی شخصیت کے تصور کو سمجھا جائے تو یہ اس قدر وسیع ہے کہ ایک شخصیت کا مادی دنیا کے اعتبار سے ظاہری وجود ہے جس کی تعمیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح انسان کی شخصیت کا دوسرا پہلو روحانی پہلو ہے جس کی تعمیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے انسانی شخصیت کی مکمل تعمیر وہ شخصیت سازی ہوگی جو مادی اور روحانی دونوں اعتبار سے متوازن اصولوں کی بنیاد پر ہو۔ جس طرح انسانی جسم کو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں اسی طرح انسانی روح کو بھی بیماریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جس طرح انسان متوازن اور معتدل رہنے کے لیے جسمانی بیماریوں کا مقابلہ کرتا ہے اسی طرح شخصیت کی کامل تعمیر کے لیے روحانی صحت کا خیال کرنا بھی ضروری ہے۔

انسانی روح کو درپیش بیماریوں میں بغض، کینہ، کبر، حبِ جاہ اور حبِ مال جیسی بیماریاں شامل ہیں۔ ہر دور میں انسان ان عیوب سے دوچار رہا ہے۔ یہ روحانی بیماریاں انسانی شخصیت پر اپنے اثرات مرتب کرتی ہیں جن کے نتیجہ میں انسانی شخصیت مفاہمت، عجز اور قناعت جیسی خوبیوں سے محروم ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم نے انسانی شخصیت کی تعمیر کا جامع اہتمام کیا اور انسان کی روحانی تعمیر کے لیے گندگیوں سے دور رہنے کا حکم دیا۔ چناچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾[1]

ترجمہ: اور ناپاکی سے دور رہو۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ کو تمام انسانیت کے لیے نمونہ بنایا گیا۔ اسی شخصیت کی متوازن تعمیر کے پیشِ نظر آپ ﷺ کو سورۃ المدثر میں ناپاکی سے دور رہنے کا حکم دیا گیا۔ یہ حکم انسانی شخصیت کی ان اصولوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو متوازن شخصیت کی تعمیر اور استحکام کے لیے ضروری ہیں۔

عصرِ حاضر میں انسان کی شخصیت کا تجزیہ کیا جائے تو ہر انسان میں ایسی باطنی بیماریاں ملتی ہیں جن کی موجودگی کی بنیاد پر کسی شخصیت کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ متوازن تعمیر شدہ ہے۔ آج کے معاشرے کے افراد کے اندر حسد، ریا اور کبر جیسی روحانی امراض اس بات کی دلیل ہیں کہ قرآن حکیم کے تعمیرِ شخصیت کے اس انداز کے مطابق افراد کی شخصیت سازی کی ضرورت ہے۔ انسانی کی روحانی آبیاری کے لیے ایسے نظام کو تشکیل دینے کی ضرورت ہے جس کی بنیاد قرآن کریم کے تزکیہِ نفس کے اصولوں پر ہو تا کہ معاشرے کے لیے متوازن شخصیت کی پیداوار کو یقینی بنایا جا سکے۔

احسان اور بے نیازی:

انسان کی عملی زندگی کو دیکھا جائے تو یہ اجتماعیت پر مبنی ہے۔ انسان کے لیے اکیلے زندگی گزارنا اور کسی بھی مقصد کو حاصل کرنا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے نظام کی تشکیل ہی میں انسان کے لیے اجتماعیت رکھی۔ اس بناء پر انسان کی فطرت اجتماعیت پسند ہے۔ اسی امر کے پیشِ نظر معاشرے میں انسان رشتوں کی بنیاد رکھتا ہے اور معاملاتِ زندگی میں باہمی تعاون کی عملی صورتوں کو بنیاد بناتا ہے۔ باہمی تعاون کے پیشِ نظر انسانی شخصیت کا صفتِ احسان سے متصف ہونا ضروری ہے۔ انسانی رویے ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو رویوں سے متاثر ہونے کی صلاحیت دی ہے۔ انسانی شخصیت کی متوازن تعمیر کا تقاضا ہے کہ دوسرے انسانوں سے روزمرہ معاملات کے پیشِ نظر انسانی شخصیت کے اندر احسان کا مادہ ہو۔ احسان سے مراد کسی کام کو اچھے انداز سے سرانجام دینا ہے۔ صفتِ احسان انسان کے اندر بے نیازی پیدا کرتی ہے۔

---

[1] سورۃ المدثر: 5

صفتِ احسان انسان کو دوسروں کے معاملہ میں نرم گوشہ اختیار کونے میں مدد دیتی ہے۔اسی طرح صفتِ احسان معاشرے میں توازن قائم کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جن اوصاف کو پسند کیاان میں سے ایک انسان کا صفتِ احسان سے متصف ہونا بھی ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنے احسانات کیے۔کائنات میں اس صفتِ الہیٰہ کے مظاہر کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو محبوب اور مقصود انسانی شخصیت صفتِ احسان سے متصف اور مخلوق کے معاملہ میں بے نیاز ہو۔ شخصیت کی متوازن تشکیل کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کواحسان کی رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا۔سورۃ المدثر کے پسِ منظر کو جاننے کے نتیجہ میں عقل تقاضا کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس کام کو سرانجام دے رہے تھے وہ مشرکینِ مکہ پر احسان تھااور طویل کوشش کے بعد آپ ﷺ کی طرف سے اہتمام حجت ہو چکا تھا۔اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو احسان اور بے نیازی کا رویہ اختیار کرنے کو کہا۔چناچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَمۡنُن تَسۡتَكۡثِرُ﴾ [1]

ترجمہ: اور (اس نیت سے) احسان نہ کرو کہ اس سے زیادہ کے طالب ہو۔

لالچ انسان کی فطرت میں موجود ہے۔یہ لالچ انسانی شخصیت پر غالب آجائے تواس کی شخصیت کو متوازن اور تعمیر شدہ نہیں کہا جاسکتا۔اللہ تعالیٰ نے انسانی شخصیت کی تعمیر کو مکمل کرنے کے لیے صفتِ احسان اور بے نیازی کو انسانی شخصیت کا حصہ بنانے کو درس دیا۔

عصرِ حاضر میں انسان کی شخصیت کواس کے روزمرہ معاملات کی انجام دہی کے تحت پرکھا جائے تو واضح ہے کہ انسان دوسروں پر احسان بدلہ کی توقع رکھتے ہوئے کرتا ہے۔اس کے برعکس متوازن تعمیر شدہ شخصیت انعام اور بدلہ سے بے نیاز ہوتی ہے۔آج کے انسان کی شخصیت میں اس کیفیت کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ اس کی شخصیت کو فکری طور پر اسباب کے لالچ سے آزاد کیا جائے۔موجودہ دور کے انسان کی شخصیت سازی اس بنیاد پر کی جائے کہ یہ انسان اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے کے قابل ہو سکے۔اس انداز کی کی گئی تعمیرِ شخصیت کے نتیجہ

[1] سورۃ المدثر:6

میں انسان عبدیت اور معاشرت کے تقاضوں کو ادا کرنے کا متحمل ہو سکے گا جس کی بنیاد پر اسے متوازن اصولوں پر تعمیر شدہ شخصیت کہا جاسکے گا۔

صبر واستقامت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مقصدِ حیات کے ساتھ پیدا کیا۔ اس مقصد کے حصول کا راستہ مشکلات کے ساتھ بھر دیا کیونکہ ان مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد انسان مقصد کے حصول میں کامیابی کے بدلے انعامات پاتا ہے۔ اس ثابت ہوا کہ ہر منافع بخش اور اطمینان دینے والی چیز کو حاصل کرنے کے لیے مجاہدہ سے گزرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح انسان کی عملی زندگی کو دیکھا جائے تو ہر انسان اکثر چھوٹے بڑے مقاصد کے حصول کی جدوجہد میں لگا رہتا ہے۔ ان مقاصد کی نوعیت کے اعتبار سے ان کے حصول کی راہ میں رکاوٹیں موجود ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی شخصیت کو جن خواص سے مزین کیا ہے ان میں سے ایک صبر و استقامت ہے۔ صبر واستقامت کی خوبی انسان کو مقاصد کے حصول کا حوصلہ دیتی ہے۔ انسان کائنات کی دیگر مخلوقات کی نسبت نحیف وجود رکھتا ہے۔ یہ حالات اور مشکلات کے جلد شکست کھا کر مایوس ہو جاتا ہے۔ ایسی صورتحال سے نمٹنے کے لیے شخصیت میں صبر واستقامت کا وصف ہونا چاہیے جو انسان کو حوصلہ فراہم کر کے مضبوط بنائے۔ انسان کی اندر کیفیات کو محسوس کرنے اور ان احساسات کی بنیاد پر اثر لینے کی فطری صلاحیت رکھی گئی ہے۔ اسی وجہ سے انسان مشکل حالات کے آنے سے گھبرا جاتا ہے اور کچھ کوشش کرنے کے بعد ہمت ہار جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر انسان کی شخصیت کی متوازن اصولوں کی بنیاد پر تعمیر کی گئی ہو تو اس میں صبر واستقامت کے پہلو کا موجود ہونا لازمی ہے۔ جب انسانی شخصیت صبر واستقامت کے وصف سے متصف ہوتی ہے تو اس میں اعصابی قوت اور وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ شخصیت میں اس وسعت کے سبب انسان دور اندیشی اختیار کر لیتا ہے اور اس کی نظر مشکلات اور حالات کی مزاحمت کے بجائے مقصد اور منزل پر مرکوز ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو سماجی تبدیلی کا عظیم مقصد دے کر بھیجا گیا۔ یہ مقصد بین الانسانیت نوعیت کا تھا۔ اس مقصد کی وسعت کے مطابق ہی اس کی راہ میں مشکلات موجود تھیں۔ آپ ﷺ نے اپنے مقصد کے حصول کے

لیے کوشش کی۔اس کے نتیجہ میں آپ ﷺ کو جن مشکلات اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا ان پر آپ ﷺ کا رنجیدہ ہونا فطری عمل تھا۔اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو صبر کا حکم دیا۔ چناچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ 1

ترجمہ: اور اپنے پروردگار کے لئے صبر کرو۔

آپ ﷺ کو صبر کا حکم دینے کا مقصد آپ ﷺ کی شخصیت میں ٹھہراؤ اور تنوع پیدا کرنا تھا۔ متوازن شخصیت مشکلات کے سبب مقصد کو فراموش نہیں کرتی بلکہ اس کی نظر منزل اور ماحاصل پر ہوتی ہے۔

عصرِ حاضر کا انسان صبر واستقامت کے وصف سے محروم ہے۔اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہر انسان کسی مقصد کے حصول میں لگا ہوا ہے۔ منزل کے حصول میں مشکلات کا آنا اور طویل وقت کا صَرف ہونا فطری عمل ہے۔ اس کے سبب آج کا انسان جلد کوشش چھوڑ دیتا ہے اور نظام اور مقدر کو قصوروار ٹھہراتا ہے۔ جس قدر بڑا مقصد ہوگا اس میں اتنا زیادہ وقت لگنا اور مشکلات کا آنا لازمی اور فطری ہے۔آج کا انسان اس فطری اصول و قاعدہ کو سمجھنے اور اس کا اعتراف کرنے سے عاری ہے۔ سورۃ المدثر کے تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کے مطابق انسان کا یہ رویہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایسے شخص کی متوازن شخصیت سازی نہیں ہوئی اور اسے متوازن شخصیت قرار نہیں دیا جاسکتا۔اب ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ دور کے انسانوں کی شخصیت کی تعمیر کا باقاعدہ اہتمام قرآن کریم کے تعمیرِ شخصیت کے اصولوں کے مطابق کرنے کا اہتمام کیا جائے۔اس کے نتیجہ میں افراد کی شخصیت کے فکری، عملی اور اخلاقی اجزاء کو مستحکم بنایا جاسکتا ہے۔

ایمان بالآخرہ:

اس کائنات کی درجہ بندی پر غور کیا جائے تو یہ بات عیاں ہے کہ اس کائنات کا ایک ظاہری رُخ یعنی عالمِ وجود ہے جس میں انسان اپنی روزمرہ کی زندگی گزارتا ہے جبکہ دوسرا عقبی رخ یعنی عالمِ غیب ہے جس کی خبر انبیاء علیہم اجمعین نے دی۔انسان کی اشرف اور اکمل شخصیت کا خاصا ہے کہ وہ عالمِ وجود میں رہتے ہوئے عالمِ غیب پر ایمان رکھتا

1 سورۃ المدثر:7

ہے۔اسی ایمان کے مطابق اعمال سرانجام دیتا ہے۔عالمِ غیب پر ایمان کا ایک حصہ ایمان بالآخرۃ ہے جس میں انسان کو موت کے بعد کی زندگی کا یقین ہوتا ہے۔

ایمان بالآخرۃ انسانی شخصیت پر اثرات مرتب کرتا ہے۔ایمان بالآخرۃ کے سبب انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار رہتا ہے۔اس کے سبب انسان اطاعتِ الٰہی کا پابند رہتا ہے اور انسانی فکر متزلزل نہیں ہوتی۔اس کے برعکس جب انسان ایمان بالآخرۃ کا انکار کرتا ہے تو سب سے پہلے فکری تنزلی کا شکار ہوتا ہے۔اس کے بعد اعمالِ صالح پر جزا اور گناہوں پر سزا کا انکار کرتا ہے۔ایسے شخص کے لیے عالمِ وجود ہی سب کچھ ہوتا ہے۔جب انسان کی کامل توجہ کا مرکز عالمِ وجود بنتا ہے تو اس میں سب سے پہلے لالچ اور پھر تکبر جنم لیتے ہیں۔اس لالچ سے سبب وہ دنیا کی محبت کا شکار ہو کر اسباب جمع کرتا ہے اور اس کو اللہ کی عنایت تصور کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔اسباب کی فراوانی کے سبب جب انسان معاشی استحکام حاصل کر لیتا ہے تو تکبر جیسی روحانی بیماری کا شکار ہو جاتا ہے۔اس کے نتیجہ میں وہ خیر اور بھلائی کو قبول کرنے سے محروم ہو جاتا ہے۔

موجودہ دور میں انسانی شخصیت کا اسی تناظر میں تجزیہ کیا جائے تو آج کا انسان فکری اعتبار سے ایمان بالآخرۃ کا دعویدار تو ہے لیکن عملی اعتبار سے حبِ مال، حبِ دنیا اور تکبر کا عملی مظاہرہ اس بات کی دلیل ہے یہ انسان ایمان بالآخرۃ سے محروم ہے۔اس وجہ سے آج کے انسان کی شخصیت کو تعمیر شدہ شخصیت قرار نہیں دیا جا سکتا۔دعویٰ کا اثبات عمل سے ہوتا ہے اور آج کے انسان کو عمل اس کے دعویٰ کو غلط ثابت کر رہا ہے۔لہٰذا آج کے انسان کی تربیت اور شخصیت سازی میں ایمان بالآخرۃ کی حقیقت کو عملی طور پر پروان چڑھانے کی ضرورت ہے۔

تزکیہ نفس:

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم اجمعین کو لوگوں کے تزکیہ نفس کے لیے بھیجا۔ تزکیہ نفس کا مقصد انسانی شخصیت کو رزائل سے پاک کر کے ان اوصاف سے مزین کرنا تھا جن کی بنیاد پر شخصیت کو متوازن اور تزکیہ شدہ قرار دیا جا سکے۔تزکیہ نفس انسانی شخصیت کی تعمیر کا ایسا پہلو ہے جس کے بغیر تعمیرِ شخصیت کا کام نامکمل ہے۔انسان کی زندگی میں سے غیر ضروری افکار، غیر مطلوب اعمال اور اخلاقِ رزیلہ کو ختم کرنے کا نام تزکیہ نفس ہے۔انبیاء علیہم اجمعین انسانی افکار کو توحید پرست بناتے اور انسانی فکر کو مخلوق کے تسلط سے آزاد کرتے۔اسی طرح انسانی افعال کو

اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کے مطابق ڈھالتے تاکہ انسانی افعال کو مخلوق کے مسلط کردہ ضابطوں سے آزاد کیا جاسکے۔اسی کے ساتھ انسان کے اخلاق میں سے ان عیوب کو دور کرنے کا اہتمام کرتے جن کی وجہ سے انسان کی شخصیت متاثر ہوتی۔ تزکیہِ نفس کے اس جامع اہتمام کے بعد انبیاء علیہم اجمعین معاشرے میں افراد کی متوازن شخصیت سازی میں کامیاب ہوتے۔ تزکیہِ نفس انسانی شخصیت کی آبیاری کے اہتمام کا نام ہے جو غیر معمولی افراد کی شخصیت کی تشکیل کا سبب بنتا ہے۔انسان کو ہر دور میں تزکیہِ نفس کی ضرورت رہی ہے۔اس سے قبل یہ کام انبیاء علیہم اجمعین سرانجام دیتے رہے ہیں لیکن سلسلہِ نبوت کے اختتام کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانی شخصیت کی آبیاری کے لیے قرآن حکیم میں تزکیہِ نفس کا اصول دیا ہے اور تزکیہ شدہ شخصیت کو کامیابی کی ضمانت دی ہے۔[1]

عصرِ حاضر میں انسان کی شخصیت کو پرکھا جائے تو کم ہی کوئی شخصیت ملتی ہے جس کے تزکیہ شدہ ہونے کی ضمانت دی جاسکے۔اللہ تعالیٰ نے تزکیہ شدہ شخصیت کو کامیاب قرار دیا ہے جس بنیاد پر تزکیہ نفس کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔موجودہ دور کے انسان کی شخصیت میں موجود روحانی امراض اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ آج کے انسان کی تعمیرِ شخصیت کے کام میں تزکیہِ نفس کو شامل کیا جائے۔اس کے بغیر انسان کی شخصیت کے روحانی جزو کو متوازن پیمانوں پر تعمیر نہیں کیا جاسکتا۔ پس آج کے انسان کے افکار، اعمال اور اخلاق کو بالترتیب تزکیہ کے مرحلہ سے گزارنے کی ضرورت ہے۔

عاجزی:

انسان کو اپنے افکار، اعمال اور اخلاق کے مظاہرہ کی استعداد دی گئی ہے۔انسان کے فکری، عملی اور اخلاقی وجود کے مظاہرے کا نام انسانی شخصیت ہے۔ جس قدر یہ تینوں اجزائے شخصیت متوازن پروان چڑھے ہوں گے اُس قدر انسانی شخصیت متوازن اور تعمیر شدہ ہوگی۔اس کے برعکس اگر ان اجزائے شخصیت پر محنت نہ کی گئی ہو تو انسانی شخصیت کا منفی مظہر دیکھنے کو ملے گا۔اگر انسانی فکر کی مثبت تعمیر نہ کی جائے تو انسان فکری عیوب کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کے اعمال اور اخلاق کی تہذیب نہ کی جائے تو انسان عملی اور اخلاقی انحطاط کا شکار ہو جاتا ہے۔

---

[1] قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ

قرآن کریم نے جس انداز میں انسانی شخصیت کی اصولی آبیاری کا اہتمام کیا ہے ان میں ایک اصول عاجزی کا ہے۔ عجز وانکساری انسان کی روحانی تعمیر کا ثبوت ہے۔ جب انسان روحانی اعتبار سے تربیت نہیں پاتا تو اس میں تکبر جیسی روحانی بیماری غالب آجاتی ہے جو اس کی شخصیت کو متاثر کرتی ہے۔ تکبر کی اصلاح نے نتیجہ میں انسانی شخصیت عاجزی کے وصف سے متصف ہوتی ہے۔

عصرِ حاضر میں انسانی شخصیت کا مشاہدہ کیا جائے تو انسان میں عجز کا وصف ناپید دکھائی دیتا ہے۔ موجودہ دور کا انسان مادی ترقی سے سبب روح کی آبیاری کو فراموش کر چکا ہے اور عجز کی جگہ کبر نے لے لی ہے۔ اسی وجہ سے آج کا انسان انا پرست بن چکا ہے۔ عجز وانکساری سے محرومی اور انا پرستی کا غالب آجانا اس انسان کی شخصیت میں مروت اور احساس کو داخل ہونے سے روک رہا ہے۔ اس کے نتیجہ میں آج کا انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت اور مخلوق کے ساتھ حسنِ سلوک اپنانے سے عاجز ہے۔ انسانی شخصیت کی اس تباہی کی بنیاد پر موجودہ دور میں انسان کی شخصیت سازی میں عجز کے اصول کی باقاعدہ نشو نما کرنے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا موجودہ دور میں انسانی کی شخصیت سازی میں قرآن کریم کے تعمیر شخصیت کے اصولِ عجز کی عملی شکلوں کو ڈالنے کی ضرورت ہے۔

امتحان:

اس کائنات کے نظام پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے نظام کو اصولوں کی بنیاد پر کھڑا کیا ہے۔ جس طرح اللہ کے بنائے ہوئے نظام کا دار و مدار اصولوں پر ہے اُسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے بھی اصولوں کے دائرۂ کار رکھے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ کسی شخص اور نظام کا متوازن اصولوں پر کاربند ہونا بقا اور استحکام کی ضمانت ہے۔

انسان کی زندگی طویل مرحلوں پر مشتمل سفر ہے۔ اس سفر میں انسانی شخصیت کی تعمیر انتہائی پیچیدہ عمل ہے۔ انسان کی شخصیت کی تعمیر کے اہتمام میں کارفرما اصولوں میں سے ایک امتحان کا اصول ہے۔ امتحان ایک فطری عمل ہے جس کے ذریعہ حق کو باطل سے اور کھوٹے کو کھرے سے جدا کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم انسانوں کی رہنمائی کے لیے نازل کیا۔ اس میں غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ وہ انسانی رویے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں انھیں امتحان کے ذریعہ پسندیدہ رویوں والے لوگوں سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ اسی علیحدگی کے لیے امتحان کے مرحلہ سے گزرنا پڑتا ہے۔

اب کھوٹوں کے لیے امتحان کا یہ مرحلہ عذاب کی مانند ہوتا ہے جبکہ اللہ کے پسندیدہ لوگوں کے لیے محض آزمائش کا نام ہے جس پر وہ متوازن اصولوں پر تعمیر شدہ شخصیت کے اوصاف کا مظاہرہ کرتے ہوئے کامیاب ہو جاتے ہیں۔

انسانی شخصیت کی مثبت تعمیر کے لیے انسان کو امتحان کے مرحلہ سے گزارنا ضروری ہے۔ امتحان کے مرحلہ ہیم میں یہ پتا چل پاتا ہے کہ انسانی شخصیت کی تعمیر کے اہتمام میں کس جگہ کمی رہ گئی ہے اور کس جگہ مزید بہتری کی گنجائش موجود ہے۔ انسانی شخصیت کی تعمیر کے لیے امتحان کے مرحلہ کا یوں انطباق کیا جاسکتا ہے کہ تعمیرِ شخصیت کے جملہ اصولوں میں سے کسی شخص کو گزارنا شخصیت سازی کے لیے امتحان کا مرحلہ ہے۔

آج کا انسان امتحان کے مرحلہ سے عاری ہو کر ہر کام کے آسان طریقہ کی تلاش میں سر گرداں ہے۔ گویا موجودہ دور کے انسان نے خالص اور ناقص کے افتراق کے فطری اصول کو اختلاط سے بدل لینے کو ترجیح دے رکھی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انسان امتحان کے مرحلہ کو پسند ہی نہیں کرتا۔ عصرِ حاضر میں ہر شخص کا مزاج بن چکا ہے کہ بغیر کوشش اور محنت کے مقصد حاصل ہو جائے۔ یہ رویہ کائنات کے ہی فطری اصولوں کے خلاف ہے۔ اسی طرح آج کے انسان کا ہر شعبہِ زندگی میں امتحان کے مرحلہ سے فرار اختیار کرنا اور سہولت کے ناجائز ذرائع تلاش کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آج کا انسان شخصیت کی تعمیر کے سانچوں میں سے صحیح طرح نہیں گزرا۔ انسان کا امتحان کے مرحلہ سے اجتناب کرنا احساسِ جوابدہی اور خشیتِ الہٰی جیسی صفات سے محروم ہونے کا ثبوت ہے۔

احساسِ جوابدہی:

اللہ تعالیٰ نے کائنات کو کوئی چیز بغیر مقصد کے پیدا نہیں کی۔ انسان کو بھی بغیر مقصد کے پیدا نہیں کیا۔ اگرچہ انسان کو بتادیا کی اسے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے [1] لیکن انسان کی تخلیق کا مقصد ایسی صفات والا انسان بننا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب اور محبوب ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجاآوری ضروری ہے اور قرآن حکیم نے اسی کو عبادت قرار دیا ہے۔ اب انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ وہ اپنے رب کو جوابدہ ہے۔

[1] وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

کائنات کی جس چیز پر غور کیا جائے تو انسان کی توجہ اس کے بنانے والے کو طرف جاتی ہے۔ کسی چیز میں کوئی عیب موجود ہو تو اس کا ذمہ دار اس کے بنانے والے کو ٹھہرایا جاتا ہے اور اگر کوئی خوبی ہو تو اس کے خالق کی تعریف کی جاتی ہے۔ انسانی معاشرے میں اس رجحان کی بنیاد پر غور کرنے سے احساسِ جوابدہی کے اصول کا کارفرما ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جس طرح کوئی بچہ غلط کام کرکے والدین کی بازپُرس سے بچ نہیں سکتا اور اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اُسے والدین کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا کیونکہ وہ ان کی رعیت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اتنا وسیع نظام تشکیل دیا تو وہ بھی اپنی مخلوق سے جواب طلبی ضرور کرے گا کیونکہ وہ خالق ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان اور کسی نظام کے متوازن وجود میں احساسِ جواہدہی کا اصول بھی کارفرما ہوتا ہے۔

انسان کی شخصیت کی تعمیر پر غور کیا جائے تو اس میں احساسِ جوابدہی کا بڑا عمل دخل ہے۔ احساسِ جوابدہی انسان کو ذمہ دار بناتی ہے۔ احساسِ جوابدہی اعمال کی انجام دہی میں اعتدال پر رہنے میں مدد دیتی ہے۔ اس کے برعکس احساسِ جوابدہی کی عدم موجودگی میں انسان اعمال کی رعایت نہیں کرتا۔

عصرِ حاضر میں انسان کی شخصیت کی تعمیر کے پیمانوں کو سامنے رکھتے ہوئے تجزیہ کیا جائے تو آج کے انسان کی شخصیت کے تخریب شدہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ آج کا انسان حبِ جاہ، حبِ مال جیسی روحانی بیماریوں کا شکار ہے جن کا سبب اس کے اعمال ہیں۔ بے صبری، عدم برداشت اور عدم تفکر جیسے اعمال آج کے انسان کی شخصیت کو متاثر کر گئے ہیں۔ ان کا سبب انسان کا فکری ضعف ہے جس کی وجہ سے اس کا ایمان کمزور ہے۔ آج کے دور میں انسان کی شخصیت کی تعمیر کی اس انداز میں مقصور ہے جس میں شخصیت کی تعمیر ایسے مربوط نظام کے تحت ہو جس میں احساسِ جوابدہی کے پہلو کو کو شعوری طور پر افراد کی شخصیت میں پروان چڑھایا جائے اور شخصیت کا حصہ بنایا جائے۔

خشیتِ الٰہی:

اللہ تعالیٰ عالمِ وجود کا خالق ہے۔ اس نے اس کائنات کو تخلیق کیا اور انسان کے لیے مزین کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے یکتا ہے۔ اس کائنات کے نظام میں غور کیا جائے تو یہ بات دیکھنے کو ملتی ہے کہ عالمِ وجود میں مختلف طاقتیں ہیں اور ہر غالب طاقت کے آگے مغلوب طاقت بے بس دکھائی دیتی ہے۔ کائنات کے نظام میں سر گرمِ عمل اِن طاقتوں کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے اکمل ہونے کا تقاضا ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہمیشہ رہنمائی پہنچائی۔ اس رہنمائی کا مقصد انفرادی، اجتماعی، سماجی

،معاشی حتی کہ ہر شعبہِ زندگی میں اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے مطالبہ کردہ طرز عمل پر ڈالنا تھا۔انسانی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے تقاضا کردہ طرزِ عمل پر ڈالنے کے لیے معاون ثابت ہونے والے اصولوں میں سے ایک خشیتِ الٰہی کا اصول بھی ہے۔ خشیتِ الٰہی انسانی افکار،اعمال اور اخلاق میں ایسا توازن قائم کرنے میں مدد فراہم کرتا ہے جس کی بدولت اس شخصیت کو متوازن شخصیت بننے میں مدد ملتی ہے۔ خشیتِ الٰہی کا وصف انسان کے اندر احساسِ جوابدہی پیدا کرتا ہے جو کہ متوازن شخصیت کی تشکیل کے اصولوں میں سے ایک ہے۔ جیسا کہ انسانی شخصیت افکار،اعمال اور اخلاق کا مجموعہ ہے۔انسان کے افکار اور اخلاق کی نمائندگی اعمال کی صورت میں ہوتی ہے۔ دنیا چونکہ دار العمل ہے اور انسان بھی صرف اعمال کی بنیاد پر کسی شخص کی شخصیت کے متعلق رائے قائم کرتا ہے اس لیے انسان کی شخصیت سازی کے مراحل میں انسانی افکار،اعمال اور اخلاق میں خشیتِ الٰہی کے اصول کا فکری اور عملی ادراک ضروری ہے۔

عصرِ حاضر میں انسان کے اعمال کی بنیاد پر شخصیت کا اندازہ لگایا جائے تو کم ہی کوئی متوازن تعمیر شدہ شخصیت دیکھنے کو ملتی ہے۔ موجودہ دور کے انسان کے اعمال اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور تعلیمات سے غفلت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آج کے انسان کی تعمیرِ شخصیت از سرِ نو کی جائے۔اسی کے ساتھ ساتھ آج کا انسان فکری طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات کے استحضار سے محروم ہے اسی وجہ سے خوفِ خدا سے محروم ہے اور دنیا میں مگن ہے۔اس کے نتیجہ میں معاشرے میں رائج طرزِ زندگی پر چلتے ہوئے آج کا انسان قرآن کریم کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے سے قاصر ہے۔ایسے رویے کی وجہ سے انسان کو مسائل درپیش ہیں۔ عصرِ حاضر کا انسان ان مسائل کے سبب کو سمجھنے سے قاصر ہے کہ انسان خود کئی مسائل کی وجہ ہے۔اس لیے انسان کی شخصیت سازی کے مراحل میں حشیتِ الٰہی کے وصف کو پروان چڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ معاشرے میں متوازن شخصیت کے وجود کو یقینی بنایا جاسکے۔

اس فصل کو مکمل کرنے کے بعد حاصلِ بحث یہ ہے کہ قرآن حکیم انسان کی شخصیت سازی کے اصول فراہم کرتا ہے۔ان اصولوں کا عملی مظاہرہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں دیکھنے کو ملتا ہے۔قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کا جامع ترین ذریعہ ہے۔قرآن کریم انسانی شخصیت کی تعمیر کے لیے جو اصول فراہم کرتا ہے ان کو موجودہ دور کے انسانوں میں حتیٰ کہ موجودہ معاشروں میں تلاش کیا جائے تو خال ہی کوئی ایسا شخص

ملتا ہے جس کی شخصیت کی آبیاری قرآن کریم کے ان اصولوں کے مطابق کی گئی ہو۔اس کے برعکس عصرِ حاظر میں افراد اور معاشروں میں تعمیرِ شخصیت کے ہر اصول کی متضاد صفتِ فاسدہ غالب دکھائی دیتی ہے۔

سورۃ المدثر احساسِ ذمہ داری، دامن دل پاکی، باطن کی حفاظت ، احسان، صبر واستقامت، تزکیہِ نفس، عاجزی اور خشیتِ الٰہی جیسے اوصاف انسان کی شخصیت کی متوازن تعمیر کے لیے فراہم کرتی ہے۔یہ ایسے اصول ہیں جو انسانی شخصیت کو اس انداز میں پروان چڑھا سکتے ہیں جس کا فائدہ شخصیت کے عملی مظاہرہ ہی سے ممکن ہے۔اگر انسانی شخصیت پر محنت کے مرحلہ میں ان اصولوں کو پروان نہ چڑھایا جائے تو شخصیت متوازن نہیں ہو سکتی اور یوں ساری محنت ضائع ہو جائے گی۔اسی کے ساتھ ساتھ ان اصولوں کی عصری تطبیق کرنے کے بعد یہ واضح ہوا ہے کہ آج کے انسان کی شخصیت سازی کے لیے شعوری کوشش نہیں کی جارہی۔اس کے برعکس آج کے انسان کی شخصیت سازی کے کام کو اس کی اپنی دلچسپی اور ماحول کے حوالے کر دیا گیا ہے۔اسی وجہ سے معاشرے میں فائدہ مند شہریوں کی کمی ہے۔لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر شخص شعوری طور پر انسانی شخصیت سازی کے کام میں اپنے حصہ کی شخصیت سازی قرآنی اصولوں کے مطابق کرے اور اپنی ذمہ داری ادا کرنے کو یقینی بنائے۔

ان سورتوں میں مذکور تعمیر شخصیت کے اصول انسانی شخصیت کی تعمیر کو یوں یقینی بناتے ہیں کہ فکر مندی انسان کو عمل پر متحرک کرتی ہے۔اس کے برعکس بے فکری شخصیت کی تعمیر پر منفی اثرات مرتب کرتی ہے۔اسی طرح احساس ذمہ داری کا اصول افعال کی انجام دہی کے لیے سنجیدگی پیدا کرتا ہے۔احساس ذمہ داری کا فقدان لاپرواہی پر مبنی شخصیت پروان چڑھاتا ہے۔صفت احسان کا اصول انسانی شخصیت کے روحانی مظاہر کو نمایاں کرتا ہے۔اگر انسانی شخصیت میں صفت احسان کے قیام کو یقینی نہ بنایا جائے تو انسانی شخصیت کے روحانی کمال کا مظاہرہ ممکن نہیں ہے۔

نتائج وسفارشات

نتائج

اس تحقیق کے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

أ. قرآن کریم انسانی شخصیت کی تعمیر فکری اور عملی پہلوؤں کے اعتبار سے تعمیرِ شخصیت کرتا ہے۔انسان کی فکری تعمیر کے لیے قرآن کریم ایمان ویقین، اطاعتِ رسول ﷺ ، ایمان بالملائکہ کا فکری پہلو، ضعفِ ایمانی اور فکری تذبذب سے حفاظت، احساسِ بندگی و تقویٰ، عجز وانکساری اور ابدی زندگی کا تصور جیسے اصول فراہم کرتا ہے۔

ب. قرآن کریم انسانی شخصیت کی تعمیر کے لیے عملی اصول بھی فراہم کرتا ہے۔انسان کی شخصیت کی عملی تعمیر کے لیے عملی زندگی میں صفتِ احسان، سچ بولنے کی تاکید، معاملات میں دیانتداری، صبر واستقامت، لالچ و خیانت سے اجتناب، عملی زندگی میں جدوجہد اور اخلاص، انسانیت کی خدمت اور باہمی اتحاد جیسے عملی اصول فراہم کرتا ہے۔

ج. سورۃ المزمل کے پس منظر کی روشنی میں حاصل ہونے والے اصولوں میں فکر مندی، غور وفکر، تحمل، فکری وروحانی استحکام، یقین، صبر اور احسان کے جیسے اصول شامل ہیں۔

د. سورۃ المدثر کے پس منظر کے تحت بھی انسانی شخصیت کی تعمیر کے لیے اصول حاصل ہوتے ہیں۔سورۃ المدثر سے مستنبط اصولوں میں احساسِ ذمہ داری، دامنِ دل کی پاکی، باطن کی نجاست سے حفاظت، صبر واستقامت، تزکیہ نفس، عجز، احساسِ جوابدہی اور خشیتِ الٰہی کے نمایاں اصول شامل ہیں۔

ہ. دونوں سورتوں میں مذکور اصول انسانی شخصیت میں فکری اور عملی اعتبار سے مثبت تبدیلیوں کا ذریعہ بنتے ہیں وگرنہ ہر اصول کا متضاد ایسی خرابیوں پر مشتمل ہے جو انسانی شخصیت کی تخریب کا سبب بنتے ہیں۔

و. انسانی شخصیت کی فکری تخریب اور رجعت پسندی(reactionism) کا سبب علم کے بغیر معاشی استحکام حاصل ہونا بھی ہے۔لہٰذا معاشرے کے افراد کی جملہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے ان کو ایسے نظام سے متعارف کروایا جائے جو علمی اور معاشی استحکام سے ہمکنار ہو۔

ز. ہر شخص کے اندر اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سلیمہ رکھی ہے جس کی بنیاد پر انسان غور وفکر اور استدلال کرتے ہوئے خود اپنی اصلاح اور ہر شعبہِ زندگی میں بہتری لانے کی کوشش کر سکتا ہے۔

ح.	علم نفسیات انسانی شخصیت کی تعمیر کا اہتمام جسمانی، ذہنی، بائیولوجیکل مراحل یا مزاج کے اعتبار سے کرتا ہے۔ یوں علم نفسیات کا تعمیر شخصیت کا لائحہ عمل جامع نہیں ہے۔ دوسری طرف قرآن حکیم انسانی شخصیت کی تعیر کا جامع لائحہ عمل فراہم کرتا ہے جو جامع اور قابل عمل نظریاتی، عملی اور اخلاقی اصولوں پر مبنی ہے۔

ط.	موجودہ دور میں معاشرے کو درپیش اکثر مسائل کی وجہ عام انسانی شخصیت کی عدم متوازن تعمیر ہے۔

سفارشات

اس تحقیق کی مجوزہ سفارشات درج ذیل ہیں جن پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے:

أ.	پی ایچ ڈی سطح پر قرآن حکیم کے تصورِ تعمیر شخصیت پر مکمل تحقیق کرنے کی ضرورت ہے۔اس موضوع پر تحقیق مکی یا مدنی سورتوں یا قصص الانبیاء کے تناظر میں کی جاسکتی ہے۔

ب.	سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں تعمیرِ شخصیت کے موضوع پر آپ ﷺ کی مکی زندگی اور مدنی زندگی کے تناظر میں باقاعدہ تحقیق کرنے کی ضرورت ہے۔

ج.	تعمیرِ شخصیت میں صوفیاء کے فکری، عملی اور اخلاقی اعتبار سے کردار کے موضوع پر تحقیقی کام کی ضرورت ہے۔

د.	انسانی زندگی کے اخلاقی پہلوؤں کا معاشرتی زندگی میں کیا کردار ہے، اس موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھنے کی ضرورت ہے۔

فهارس

فہرستِ قرآنی آیات

نمبر شمار	آیت	سورت	صفحہ نمبر
1.	صراطَ الَّذين أَنْعمتَ عليهِم۰۰۰	الفاتحہ	14
2.	الَّذين يؤمنونَ بالْغيب ويقيمونَ الصَّلَاةَ ۰۰۰أُولَئكَ علَى هُدًى من ربِّهم وأُولَئك هم الْمفلحون۰۰۰	البقرة	18
3.	إنَّ الَّذين كَفروا سواءٌ عليهم أَأَنْذَرْتَهم أَمْ لَمْ تنْذرْهمْ ۰۰۰	البقرة	19
4.	قُلْنَا اهبطُوا منْها جميعًا فَإمَّا يأْتيَنَّكُم مني هُدًى ف۰۰۰	البقرة	43
5.	يا بني إسرائيل اذْكُروا نعمتي الَّتي أَنْعمتُ علَيكُم وأَوفُوا ۰۰۰	البقرة	44
6.	وأَقيموا الصَّلَاةَ وآتُوا الزَّكَاةَ واركَعُوا مع الرَّاكعين۰۰۰	البقرة	45
7.	واستعينوا بالصَّبْرِ والصَّلَاة وإنَّها لَكَبيرَةٌ إلَّا علَى الْخَاشعين۰۰۰	البقرة	46
8.	الَّذين يظُنُّونَ أَنَّهُم ملَاقُو ربِّهم وأَنَّهُم إلَيه راجعون۰۰۰	البقرة	44
9.	وإذْ قَالَ موسى لقومه يا قَوم إنَّكُم ظَلَمتم أَنْفُسكُم باتِّخَاذكُم ۰۰۰	البقرة	47
10.	وإذ استسقَى موسى لقومه فقُلْنَا اضْرب بعصاكَ الْحَجر ۰۰۰	البقرة	48
11.	ولَقَدْ علمتم الَّذين اعتدوا منْكُم في السَّبت فَقُلْنَا لَهُم كُونوا۰۰۰	البقرة	49
12.	وإذَا لَقُوا الَّذين آمنوا قَالُوا آمنَّا وإذَا خلَا بعضهم إلَى بعض ۰۰۰	البقرة	50
13.	فَويلٌ للَّذين يكْتُبونَ الْكتَاب بأَيديهم ثُمَّ يقُولُونَ هذَا من ۰۰۰	البقرة	51
14.	ولَقَدْ آتينا موسى الْكتَاب وقَفَّينا من بعده بالرُّسل وآتَينا ۰۰۰	البقرة	52
15.	قُلْ إنْ كَانَتْ لَكُم الدَّار الْآخرَةُ عنْدَ اللَّه خالصةً من دون النَّاس ۰۰۰	البقرة	52
16.	في قُلُوبهم مرضٌ فَزادهم اللَّهُ مرضًا ولَهُم عذَابٌ أَليمٌ بما ۰۰۰	البقرة	41
17.	وقُلْنَا يا آدم اسكُنْ أَنْت وزوجك الْجنَّةَ وكُلَا منْها رغَدًا ۰۰۰	البقرة	42
18.	واتَّبعوا ما تَتْلُو الشَّياطين علَى ملْك سلَيمانَ وما كَفَر سلَيمان ۰۰۰	البقرة	23
19.	آمن الرَّسولُ بما أُنْزِلَ إلَيه من ربه والْمؤْمنُونَ كُلٌّ آمن باللَّه ۰۰۰	البقرة	24

.20	ثمّ أنتم هؤلاء تقتلون أنفسكم وتخرجون فريقا منكم من...	البقرة	24
.21	يا أيّها النّاس اعبدوا ربّكم الّذي خلقكم والّذين من قبلكم...	البقرة	25
.22	وإذ قلتم يا موسى لن نؤمن لك حتّى نرى الله جهرة فأخذتكم...	البقرة	27
.23	وظلّلنا عليكم الغمام وأنزلنا عليكم المنّ والسّلوى كلوا من ...	البقرة	28
.24	الّذي جعل لكم الأرض فراشا والسّماء بناء وأنزل من السّماء ...	البقرة	49،28
.25	هو الّذي خلق لكم ما في الأرض جميعا ثمّ استوى إلى السّماء ...	البقرة	33
.26	وأقيموا الصّلاة وآتوا الزّكاة واركعوا مع الرّاكعين	البقرة	30
.27	وإذا قيل لهم اتّبعوا ما أنزل الله قالوا بل نتّبع ما ألفينا عليه...	البقرة	32
.28	وعلّم آدم الأسماء كلّها ثمّ عرضهم على الملائكة فقال...	البقرة	32
.29	واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرّقوا واذكروا نعمت الله ...	البقرة	57
.30	كنتم خير أمّة أخرجت للنّاس تأمرون بالمعروف وتنهون عن ...	آل عمران	27
.31	الّذين يذكرون الله قياما وقعودا وعلى جنوبهم ويتفكرون في...	آل عمران	31
.32	والمحصنات من النّساء إلّا ما ملكت أيمانكم كتاب الله...	النساء	19
.33	من يطع الرّسول فقد أطاع الله ومن تولّى فما أرسلناك عليهم...	النساء	19
.34	يا أيّها الّذين آمنوا لا تحلّوا شعائر الله ولا الشّهر الحرام ولا...	المائده	55
.35	إنّ الّذين فرّقوا دينهم وكانوا شيعا لست منهم في شيء إنّما...	الانعام	26
.36	وأطيعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم ...	الانفال	46
.37	وإن كنتنّ تردن الله ورسوله والدّار الآخرة فإنّ الله أعدّ...	احزاب	40
.38	إنّ عدّة الشّهور عند الله اثنا عشر شهرا في كتاب الله	التوبه	54
.39	وممّن حولكم من الأعراب منافقون ومن أهل المدينة...	التوبه	50
.40	خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكّيهم بها وصل عليهم ...	التوبه	55
.41	الله الّذي رفع السّماوات بغير عمد ترونها ثمّ استوى ...	الرعد	35
.42	إنّ الله يأمر بالعدل والإحسان وإيتاء ذي القربى وينهى ...	النحل	40
.43	إنّ الله مع الّذين اتّقوا والّذين هم محسنون	النحل	40

44.	وقل لعبادي يقولوا التي هي أحسن إن الشيطان ينزغ بينهم ...	بنی اسرائیل	53،45
45.	وقالوا اتخذ الرحمن ولدا سبحانه بل عباد مكرمون	الانبياء	22
46.	يعلم ما بين أيديهم وما خلفهم ولا يشفعون إلا لمن ارتضى ..	الانبياء	22
47.	ولا يأتل أولو الفضل منكم والسعة أن يؤتوا أولي القربى ...	النور	48
48.	إن الذين يرمون المحصنات الغافلات المؤمنات لعنوا...	النور	20
49.	وهو الذي يبدأ الخلق ثم يعيده وهو أهون عليه وله المثل ...	الروم	35
50.	وقالوا أإذا ضللنا في الأرض أإنا لفي خلق جديد بل هم ...	السجده	34
51.	وضرب لنا مثلا ونسي خلقه قال من يحيي العظام وهي رميم	یٰس	34
52.	وناديناه أن يا إبراهيم	الصافات	41
53.	قد صدقت الرؤيا إنا كذلك نجزي المحسنين	الصافات	41
54.	أمن هو قانت آناء الليل ساجدا وقائما يحذر الآخرة ويرجو ...	الزمر	53،33
55.	أم اتخذ مما يخلق بنات وأصفاكم بالبنين	الزخرف	21
56.	والذين آمنوا وعملوا الصالحات وآمنوا بما نزل على محمد ...	محمد	26
57.	أو زد عليه ورتل القرآن ترتيلا	المزمل	69
58.	إنا سنلقي عليك قولا ثقيلا	المزمل	70
59.	إن ناشئة الليل هي أشد وطئا وأقوم قيلا	المزمل	71
60.	إن لك في النهار سبحا طويلا	المزمل	72
61.	واذكر اسم ربك وتبتل إليه تبتيلا	المزمل	72،101
62.	رب المشرق والمغرب لا إله إلا هو فاتخذه وكيلا	المزمل	73،102
63.	واصبر على ما يقولون واهجرهم هجرا جميلا	المزمل	74،104
64.	وذرني والمكذبين أولي النعمة ومهلهم قليلا ---	المزمل	75
65.	إن ربك يعلم أنك تقوم أدنى من ثلثي الليل ونصفه وثلثه و ...	المزمل	76
66.	قم فأنذر	المدثر	70،78،1 11

78	المدثر	يا أَيُّها الْمُدَّثِّر،والرُّجز فَاهْجر	.67
79،113، 114	المدثر	وربَّك فكَبّر	.68
80	المدثر	وثيابك فطَهّر	.69
81،116	المدثر	والرُّجز فَاهجر	.70
82،117	المدثر	ولَا تَمنن تستكْثر	.71
83،119	المدثر	ولربك فاصبر	.72
84	المدثر	فإذا نقر في النَّاقور فذَلك يومئذ يوم عسير علَي الْكَافرين غير يسير ذرني ومن خلقت وحيدا وجعلْت له مالًا مَمدودا وبنين شهودا ومهَّدت لَه تَمهيدا ثُمَّ يطْمع أَنْ أَزيد كَلَّا إنَّه كَانَ لآياتنا عنيدا	.73
85	المدثر	سأُرهقه صعودا	.74
86	المدثر	إنَّه فكَّر وقَدَّر فَقُتل كَيف قَدَّر ثُمَّ قُتل كَيف قَدَّر ثُمَّ نظَر ثُمَّ عبس وبسر ثُمَّ أَدبر واستكْبر فقَال إنْ هذَا إلَّا سحر يؤثر	.75
88	المدثر	سأُصليه سقَر وما أَدراك ما سقر لَا تبقي ولَا تذَر لَوَّاحةٌ للْبشَر عليها تسعة عشر	.76
88	المدثر	كَلَّا والْقمر واللَّيل إذْ أَدبر والصُّبحِ إذَا أَسفَر إنَّهَا لَإحدى الْكُبر نذيرا للْبشر	.77
89	المدثر	كُلُّ نفْس بما كَسبت رهينةٌ	.78
90	المدثر	قَالُوا لَم نك من الْمصلّين ولَم نك نطْعم الْمسكين وكُنَّا نَخُوض مع الْخائضين وكُنَّا نكَذّب بيوم الدين حتَّى أَتَانا الْيقين	.79
91	المدثر	فما تنفعهم شفاعة الشَّافعين	.80
92	المدثر	فَرَّت من قسورة بل يريد كُلُّ امرئ منهم أَنْ يؤتَى صحفًا منشَّرةً كَلَّا بل لَا يخافُون الْآخرة	.81
21	النازعات	فَالْمدبرات أَمرا	.82
30	الفجر	يا أَيَّتها النَّفْس الْمطْمئنَّةُ	.83
33	العلق	اقْرأْ باسم ربك الَّذي خلَق	.84

29	الاعلى	قَدْ أَفْلَحَ من تزَكَّى	85.
16	العصر	وَالْعَصْرِ إنَّ الْإنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذين آمَنوا وعَمِلُوا الصَّالِحَات وتواصوا بالْحَق وتواصوا بالصَّبْر	86.
51	الناس	مِن الْجِنَّة والنَّاس	87.

فہرست احادیث

نمبر شمار	حدیث	صفحہ نمبر
.1	اقْرءوا الْقُرْآنَ ما ائتلفتْ عليه قلُوبكُمْ	70
.2	إنْ كَانَ النَّبيُّ ﷺ لَيَقُومُ ليصلّي حتَّى ترمَ قدماه	32
.3	آيةُ الْإيمان حبُّ الْأَنْصار	62
.4	آيةُ المنافق ثَلَاثٌ: إذَا حدَّث كَذَبَ، وإذَا وعد أَخْلَفَ، وإذَا اؤْتُمن خَانَ	50
.5	خلْفَ النَّبِي ﷺ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى جبْريل وميكَائيل السَّلَامُ	28-29
.6	خلْفَ النَّبِي ﷺ قلْنا السَّلَامُ عَلَى جبْريل وميكَائيل السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وفُلَانٍ	35
.7	صعدَ النَّبيُّ ﷺ الْمنبر وكَانَ آخر مجْلس جلَسَهُ	52
.8	غزَا نبيٌّ من الأَنْبياء، فقَالَ لقوْمه: لَا يتبعْني رجُل ملَك	36
.9	كَانَ النَّبيُّ ﷺ بارزًا يومًا للنَّاس، فَأَتَاهُ جبريل فقَالَ: ما الإيمانُ؟	47
.10	كان رسول الله ﷺ يعلمنا الاستخارة في الأمور	39
.11	لَنْ ينجيَ أَحَدًا منْكُمْ عملُهُ	30
.12	من أَطَاعني فقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ومن	23
.13	من صلَّى صلاتَنا واستقْبلَ قبْلَتنا، وأَكَلَ ذَبيحتَنا فذَلكَ المسْلمُ	63

فہرستِ مصادر و مراجع

1) القرآن الکریم

اردو مصادر

2) ابنِ کثیر، حافظ عماد الدین، تفسیر، مکتبہ اسلامیہ پرنٹرز لاہور، 2009ء

3) ابنِ ہشام، محمد عبد الملک بن ہشام: سیرت، مترجم: مولوی قطب الدین احمد محمودی، عبد اللہ اکیڈمی لاہور

4) اصفہانی، امام راغب، مفرادت القرآن، المکتبہ قاسمیہ لاہور، 1963ء

5) اصفہانی، راغب، المفردات القرآن (مترجم: فیروز پوری عبدہ) اسلامی اکیڈمی لاہور، 200ء

6) اصلاحی، امین احسن، قاموس، الفاظ و اصطلاحات و قرآن، دار التذکیر لاہور، 2005ء

7) اصلاحی، مولانا امین احسن، تدبر قرآن، المکتبہ قاسمیہ لاہور، 1963

8) آزاد، ابو الکلام، ام الکتاب، مکتبہ خزینہ علم و ادب، لاہور، 2011ء

9) آلوسی، شہاب الدین محمود بغدادی، تفسیر روح المعانی، المطبعۃ الکبریٰ، مصر، 1984ء

10) بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح البخاری، ادرہ مصباح العلم، لاہور، 2009ء

11) پرویز، غلام احمد، لغات القرآن، میزان پبلشرز لاہور، 1961ء

12) حقانی، عبد الحق، تفسیر فتح المنان، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، 2009ء

13) دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، مکتبۃ رشیدیہ، محلہ جھنگی پشاور، 2013ء

14) رازی، فخر الدین، تفسیر کبیر، ج:10، ص:484، بیروت، 1992ء

15) سندھی، عبید اللہ، قرآنی شعور انقلاب، ج:2، ص:242، رحیمیہ مطبوعات لاہور، 2009ء

16) صدیقی، نعیم، محسنِ انسانیت، میاں سنز پریس لاہور، 2009ء

17) طاہر القادری، سورہ فاتحہ اور تعمیر شخصیت،، منہاج القرآن پبلشرز لاہور 2000ء

18) ظفر، عبد الروف، اسوہِ کامل ﷺ، نشریات، لاہور، 2006ء

19) عباس علی رضا، سماجی رویوں کی تشکیل سیرتِ طیبہ کی روشنی میں، صبحِ نور پبلیکیشنز، 2024ء

20)عثمانی، مفتی شفیع، تفسیر معارف القرآن، مکتبہ المعارف کراچی، 2008ء

21)عزیز الرحمٰن، سید، اسوۂ حسنہ چند عملی پہلو، زوار اکیڈمی پبلیکیشنز، 2014ء

22)علامہ وحید الزمان خان، تفسیر تبویب القرآن، خالد احسان پبلشرز لاہور، 1883ء

23)فراہی، امام حمید الدین، لغات القرآن، مکتبہ الرسالہ نئی دہلی، 2007ء

24) قاسمی، اختر امام عادل، قرآن کریم کی روشنی میں افراد سازی، سمستی پور، بہار، انڈیا، 2007ء

25)کاندھلوی، حافظ محمد ادریس، تفسیر معارف القرآن، مکی مدنی پرنٹرز لاہور، 2009ء

26)منصور پوری، قاضی محمد سلیمان سلمان، رحمت للعالمین، مکتبہ اسلامیہ لاہور، 2010ء

27)منصور پوری، مولانا صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، المکتبہ سلفیہ، لاہور، 1969ء

28)مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سیرتِ سرورِ عالم، ترجمان القرآن لاہور، 1999ء

29)مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفسیر تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 1949ء

30)مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی، اسلامک پبلیکیشنز، 2001ء

31)مولانا وحید الدین خاں، تفسیر تذکیر القرآن، مکتبہ الرسالہ نئی دہلی، 1975ء

32)میاں عبد الرشید: اسلام اور تعمیرِ شخصیت، المکتبہ اسلامیہ لاہور، 1960

33)میاں محمد جمیل، آپ ﷺ کا تہذیب و تمدن، ابوہریرہ اکیڈمی لاہور، 2000ء

34)میر ولی الدین، قرآن اور تعمیر سیرت، ندوۃ المصنفین جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن اردو بازار جامع مسجد دہلی، ستمبر 2002ء

35)ندوی، ابوالحسن، مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی، مجلس نشریات اسلام کراچی، 2008ء

36)نعمانی، ندوی، علامہ شبلی و سید سلیمان، سیرۃ النبی ﷺ، آر زیڈ پبلیکیشنز، 1985ء

37)نعمانی، مولانا محمد عبد الرشید، لغات القرآن، ندوۃ المصنفین جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن اردو بازار جامع مسجد دہلی، 2002ء

38)وحید الدین خان، قرآن کا مطلوب انسان، مکتبۃ الرسالہ ویسٹ نظام الدین انڈیا، 1986ء

آرٹیکلز:

39) تعمیر شخصیت کے بنیادی اصول قرآن وسنت کی روشنی میں، مقالہ نگار: محمد فرقان گوہر، مجلہ اسلام آباد اسلامکس جلد نمبر:2، شمارہ:1:2019ء

40) تعمیر شخصیت کے جذباتی اجزاء احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں، مقالہ نگار: نسیم سحر صمد، مجلہ: الایضاح، جلد نمبر:27، شمارہ نمبر:2،2013ء

41) قرآن وحدیث کی روشنی میں تعمیر کردار و شخصیت اور نصاب اسلامیات، مقالہ نگار: محمد ایاز، مجلہ: IRJIS، جلد نمبر:1، شمارہ نمبر:2،2019ء

انگریزی مصادر وویب سائٹس:

42) Bem P. Allen, **Personality Theory: Development, Growth and Diversity**, Psychology Press Limited, London (UK) 1994

43) Dan P.McAdams, **The Art and Science of Personality Development** 2016

44) Daniel Nettle, **Personality: What Makes You The Way You Are**, Oxford University Press, 2007

45) Daun Schultz & Sydney Ellen Schultz, **Theories of Personality**, University of South Florida, USA, 2015

46) David Brook, **The Road to Character**, Random House USA, 2015

47) James Clear, **Atomic Habits**, Penguin Publishing Group, 2018

48) Jean M. Twenge & W.Keith Campbell, **Psychology of Personality**, Pearson Publisher, 2016

49) John Aurther, **Personality Development**, 2006 Published by Lotus Press New Delhi 2007

50) R.C. Bhatia, **Personality Development**, 2000

Websites

51) http://www.misbahmagazine.com

52) https://mohaddis.com/

53) https://theislam360.com/

54) https://www.IslamicBook.ws (Urdu Section)

55) https://www.quran-o-sunnat.com/